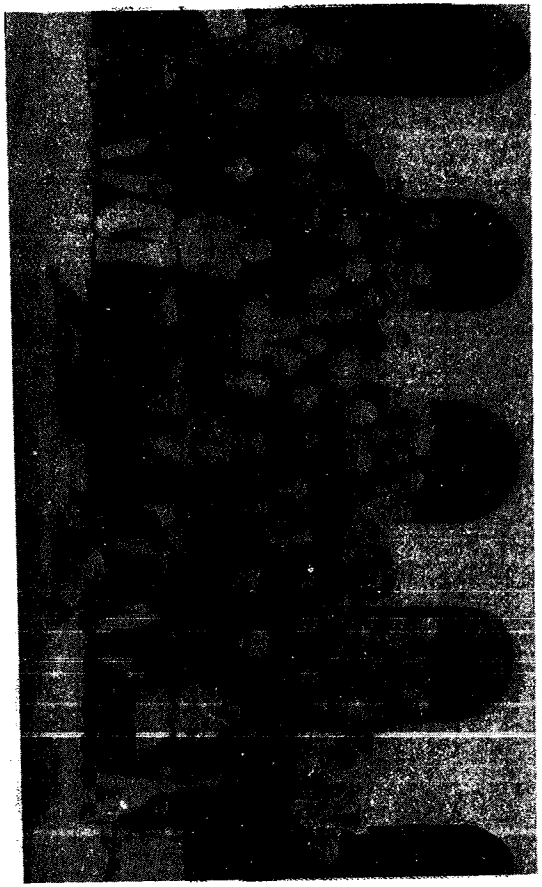


گوپالا سوامی آئینگر اور پنڈت جواہر لال نہرو
انھوں نے شیخ محمد عبداللہ کو کشمیر اسمبلی کے ذریعے الحاق کرانے کا سمجھاؤ دیا۔



ریاستی قانون ساز اسمبلی کا تقدس ملیامیٹ کرنے کے فوراً بعد اس ادارے کے ارکان کی یادگار تصویر۔ ۱۹۵۱ء



نیشنل کانفرنس کی ورکنگ کمیٹی اور ایکشن بورڈ جس نے عوامی راج کی پہلی اسمبلی بنانے کا تاریخ ساز نام کمایا۔
کرسیوں پر (دائیں سے بائیں) بخشی عبدالرشید، جی، ایم بھلائی، زہرا، بخشی غلام محمد، شیخ محمد عبداللہ، مولانا مسعودی، شام لال صراف،
صوفی نورالدین، غلام نبی وانی۔ (کھڑے ہوئے) :- غلام حسن گلکار، دوردی بیٹھے ہوئے) پیر محمد افضل،
غلام حسن شاہ، غلام محی الدین، حکیم غلام محی الدین، علی محمد دوردی بیٹھے، صدرالدین مجاہد، پنڈت جیالال، محمد سلطان وانی۔

رفتارِ زندگی میں سکوں آئے کیا مجال
طوفان ٹھہر بھی جائے تو دریا بہا کرے

ریاست میں قانون ساز اسمبلی کا قیام

آل جموں وکشمیر نیشنل کانفرنس نے ۲۷ اکتوبر ۱۹۵۰ء کو جنرل کونسل کے اجلاس میں ایک قرارداد کے ذریعے کشمیر میں دستور ساز اسمبلی کے قیام کی سفارش کی تو اس قسم کی سفارش پر سلامتی کونسل میں بڑی لے دے ہوئی۔

۳۰ مارچ ۱۹۵۱ء کو انجمن اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل نے ایک اور قرارداد پاس کی، جس کی رُو سے قرار پایا کہ اب جب کہ سلامتی کونسل نے اقوام متحدہ کے نمائندے برائے ہندوستان وپاکستان جس کی سلامتی کونسل کی قرارداد مورخہ ۱۴ مارچ ۱۹۵۰ء کے تحت برِّصغیر کے مشن پر مامور کیا گیا تھا۔ سر اوون ڈکسن کی رپورٹ وصول کر کے نوٹ کر لیا ہے۔ نیز یہ مشاہدہ کر لینے کے بعد کہ بھارت اور پاکستان کی حکومتوں نے اقوام متحدہ کے کمیشن برائے ہندوستان وپاکستان کی ۱۳ اگست ۱۹۴۸ء اور ۵ جنوری ۱۹۴۹ء اور سلامتی کونسل کی ۱۴ مارچ ۱۹۵۰ء کی قراردادوں کو منظور کر لیا ہے اور دونوں نے اپنی خواہش کا بھرپور اعادہ کیا ہے کہ ریاست جموں وکشمیر کی قسمت کا آخری فیصلہ اقوام متحدہ کی نگرانی میں ایک آزاد اور غیر جانب دار رائے شماری کے جمہوری ڈھنگ سے طے کیا جائے اور اس بات کا مشاہدہ کر کے ۲۷ اکتوبر ۱۹۵۰ء کو آل جموں وکشمیر نیشنل کانفرنس کی جنرل کونسل نے ایک قرارداد کے ذریعے کشمیر میں ایک دستور ساز اسمبلی کے قیام کی سفارش اس مقصد سے کی ہے کہ ریاست جموں وکشمیر کے مستقبل کی صورت متعین کی جائے۔ اس لیے متعلقہ حکومتوں اور حکام کو سلامتی کونسل کی قراردادوں مورخہ ۲۱ اپریل ۱۹۴۸ء ۳ جون ۱۹۴۸ء اور ۱۴ مارچ ۱۹۵۰ء اور اقوام متحدہ کے کمیشن برائے ہندوستان وپاکستان کی تجویز مورخہ ۱۳ اگست ۱۹۴۸ء اور ۵ جنوری ۱۹۴۹ء کا اصول یاد دلایا گیا کہ آخر کار کشمیر کے مستقبل کا فیصلہ کشمیر کا فیصلہ کشمیر کے عوام کی خواہشات کے تحت اقوام متحدہ کی نگرانی میں ایک آزاد اور

غیر جانب دار رائے شماری کے ذریعے کیا جائے۔

قرارداد میں اس بات کا اعادہ کیا گیا کہ "آل جموں وکشمیر نیشنل کانفرنس کی جنرل کونسل کی سفارش کے تحت ایک دستور ساز اسمبلی کی تشکیل اور اس اسمبلی کی طرف سے کشمیر کے مستقبل اور الحاق کے بارے میں کسی اقدام کی کوشش خواہ وہ ساری ریاست کے بارے میں ہو یا اس کے کسی ٹکڑے کے لیے اس طریقۂ کار کا نعم البدل تسلیم نہیں ہوگا جو مندرجہ بالا اصول کے تحت وضع کیا جا چکا ہے۔

اکتوبر ۱۹۵۰ء میں نیشنل کانفرنس کی جنرل کونسل نے ایک قرارداد پاس کی جس میں حکومت سے جو یہ مطالبہ کیا کہ ریاست جموں وکشمیر کے مستقبل کو متعین کرنے کے لیے بالغ رائے دہی کی بنیاد پر ایک دستور ساز اسمبلی کا قیام عمل میں لایا جائے اسے اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل نے اقوام متحدہ کی قراردادوں کی صریحاً خلاف ورزی قرار دیا۔ جب اس سلسلے میں بھارت سرکار سے جواب مانگا گیا تو ہندوستان کے نمائندے نے عالمی ادارے کو یقین دلایا کہ ان کا ملک مجوزہ دستور ساز اسمبلی کے کسی قسم کے فیصلے کا پابند نہیں ہوگا۔

خود نیشنل کانفرنس کے لیڈروں نے اس بات کا برملا اظہار کیا کہ ریاستی اسمبلی کے قیام سے مسئلہ کشمیر پر کوئی فرق نہیں پڑے گا یہ اسمبلی الحاق کے بارے میں کوئی فیصلہ نہیں کریگی۔

نیشنل کانفرنس کی لیڈر شپ کی طرف سے یہ انجمن اقوام متحدہ کے لیے صریحاً ایک دھوکہ تھا۔ یہ بغل میں چھری اور منہ میں رام کے مترادف تھا۔ ایک عام شخص جس کے پاس ضمیر ہو اور جو ایمان بھی رکھتا ہو۔ اس قسم کا جھوٹ بولنے سے پہلے ضرور اتنا سوچے گا کہ کل کو مجھے کسی کو منہ دکھانا ہے۔ کیوں نہ ایسا جھوٹ بولوں جو تھوڑا بہت چل پھر سکے۔ لیکن نیشنل کانفرنس کی لیڈر شپ اس بارے میں جھوٹ بولنے دھوکا دینے اور فریب سے کام لینے میں ایسی مثال قائم کر گئی۔ گویا اس نے اس بارے میں دُنیا کا ریکارڈ توڑنے کا ارادہ کر لیا تھا۔ نیشنل کانفرنس کی لیڈر شپ کی طرف سے اسمبلی کے قیام کا فیصلہ سلامتی کونسل کے لیے ایک دھوکہ اور ریاستی عوام کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کے مترادف تھا۔ یہ سوچی سمجھی اور باضابطہ طور پر وضع کی گئی ایک سازش تھی۔

شیخ عبداللہ یہ بھول گئے کہ اکتوبر ۱۹۵۰ء میں "اسمبلی" کے قیام کے بارے میں انھوں نے انجمن اقوام متحدہ کو جو یہ بتایا تھا کہ یہ اسمبلی الحاق کے بارے میں کوئی فیصلہ

نہیں کرے گی "صرف ایک ماہ قبل یعنی ۱۱ ستمبر ۱۹۵۰ء کو "اسمبلی" کے بارے میں اپنی نیت واضح کر چکے تھے امریکی میگزین ۷۵۵ کا وہ بیان آج بھی موجود ہے جو اس میگزین کے نامہ نگار مسٹر ولی پی ریچرڈ کو دیا گیا تھا۔ ملاحظہ ہو۔

"اگر سلامتی کونسل مستقبل قریب میں کسی نتیجہ[1] پر پہنچنے میں ناکام رہی تو ریاست کے لوگوں کو یہ حق ہوگا کہ وہ رائے کا اظہار کرنے کے طور طریقے اور ذرائع استعمال میں لاکر موجودہ غیر یقینی صورت حال اور پریشانی کو ختم کریں اس صورت میں وہ قانون ساز اسمبلی کا وجود عمل میں لاکر اپنے موقف کو وضع کر کے دوسرے معاملات کے ساتھ ریاست کے الحاق کا فیصلہ کریں گے۔"

ریاست کے وزیر اعظم شیخ محمد عبداللہ نے ڈرامائی انداز میں یہ اعلان کیا کہ اب وقت آ گیا ہے کہ ہم اپنے لیے اپنا آئین خود مرتب کریں، ہمیں آزاد ہوئے تقریباً ۴ سال کا عرصہ گزر چکا ہے۔ چالیس لاکھ کشمیری عوام کو زیادہ دیر تک تذبذب میں نہیں رکھا جا سکتا ہے۔ ہم بالغ رائے دہی کی بنیاد پر ایک آزاد اور بااختیار دستور ساز اسمبلی طلب کرنا چاہتے ہیں۔ یہ مجلس ریاست کا آئندہ آئین مرتب کرے گی اور بنیادی امور پر قطعی فیصلے صادر کرے گی۔

ریاست کے حاکم اعلیٰ کے اس غیر متوقع اور بے عمل اعلان پر ریاست اور ریاست سے باہر لوگ انگشت بدنداں رہ گئے، اس بات پر کہ کل تک مجوزہ رائے شماری کے تسلیم شدہ فیصلے کو اس بنا پر ناقابل عمل قرار دیا جا رہا تھا کہ فی الوقت ریاست دو حصوں میں بٹی ہوئی ہے۔ ریاست کے حالات دگرگوں ہیں۔ مزید تین سال تک "رائے شماری" کرانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوسکتا، رائے عامہ دریافت کرنے کا سوال اس وقت تک پیدا نہیں ہوتا۔ جب تک کہ ریاست میں امن کا ماحول پیدا نہ ہو جائے اور سب لوگ اپنی اپنی جگہوں پر دوبارہ آباد نہ ہوں۔ کل تک سلامتی کونسل کی طرف سے ریاست میں رائے شماری کرانے

---

[1] سلامتی کونسل کا مستقبل قریب میں کسی نتیجے پر پہنچنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوسکتا تھا۔ کیونکہ اُن کی قراردادوں پر آپ اپنا ویٹو پاور (عوامی حمایت) استعمال میں لاکر مسترد کرتے جا رہے تھے۔

کو دلائل اور وجوہات کی بناء پر ناقابلِ عمل قرار دیا جا رہا تھا کہ حالات سازگار نہیں۔ مگر آج حالات چشم زدن میں سدھرنے کا اقرار کر لیا گیا۔

ریاست کے لوگوں کے لیے سلامتی کونسل کی طرف سے یہ رائے لینے کے لیے کہ وہ پاکستان میں شامل ہونا پسند کریں گے یا ہندوستان میں ہی رہنا چاہتے ہیں کے لیے وقت قطعی غیر موزوں تھا۔ لیکن آئین ساز اسمبلی کے لیے رائے شماری کا وقت بالکل موزوں تھا۔

ملک اور بیرونِ ملک کے چوٹی کے سرکردہ اخبار نویسوں اور تبصرہ نگاروں نے شیخ محمد عبداللہ کے اس فیصلے پر نہ صرف شدید ردِ عمل کا اظہار کیا بلکہ ان کی نیت پر شک کا بھی اظہار کیا گیا۔ بیرونی ممالک کے کئی سرکردہ تبصرہ نگاروں نے یہ واضح کر دیا کہ اس وقت جبکہ رقبہ اور آبادی کے لحاظ سے ریاست کا ایک تہائی حصّہ ریاستی حکومت کے دائرۂ اثر اور دائرۂ عمل سے باہر ہے لاکھوں ریاستی باشندے باہر پناہ گزینوں کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔ سب سے بڑی بات تو یہ ہے کہ ابھی الحاق کے بارے میں عوام کوئی حتمی فیصلہ کر نہیں پائے ہیں۔ ان حالات میں مجلس آئین ساز کے فوری قیام کی تجویز مجذوب کی بڑ اور سیاسی تدبر کا دیوالیہ پن ہے۔ یہ ایک سوچی سمجھی سازش بھی قرار دی جا سکتی ہے۔

اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل میں مجلس آئین ساز کے قیام کی تجویز پر کافی بحث و مباحثہ ہوا، پاکستان اور کئی ممالک کے ان اعتراضات کے جواب میں کہ مجلس آئین ساز کے ذریعے دراصل رائے شماری کے اس فیصلے پر پانی پھروانا مقصود ہے جسے ہندوستان اور پاکستان متفقہ طور پر تسلیم کر چکے ہیں۔ ہندوستان کے نمائندے شری بی این راؤ کو سلامتی کونسل میں واضح الفاظ میں یہ یقین دہانی کرنا پڑی کہ مجوزہ آئین ساز اسمبلی ریاست کے الحاق کے بارے میں کوئی فیصلہ لینے کی مجاز نہیں ہوگی۔ اس یقین دہانی سے سلامتی کونسل اور باہر کی دُنیا کو تشفی ہوئی، چنانچہ اس یقین دہانی کے بعد اندر اور باہر کا شور و غوغا کسی قدر تھم گیا۔

جیسا کہ پہلے ہی کہا گیا کہ یہ سب ایک دھوکہ اور فریب تھا۔ کیونکہ ۱۹۵۱ء میں آئین ساز اسمبلی بن جانے کے بعد اس کے ذریعے الحاق کی تصدیق کرانے کی تجویز لے کر وزیر اعظم شیخ محمد عبداللہ بہ نفس نفیس دہلی تشریف لے گئے۔

حکومت کی ہدایت مئی ۱۹۵۱ء میں صدر ریاست ڈاکٹر کرن سنگھ نے دستور ساز [illegible] کے قیام کے لیے ساری ریاست میں عام انتخابات کرانے کا نوٹیفکیشن جاری کر دیا۔

ریاست میں مجلس آئین ساز کا ڈھونگ رچایا گیا اور [illegible] یہ ہے کہ اس انداز سے رچایا گیا کہ جمہوریت کی تاریخ اسکی نظیر آج تک پیش نہ کر سکی اور نہ کبھی آئندہ پیش کر سکے گی۔



(ڈاکٹر کرن سنگھ)

الیکشن کا یہ ڈھونگ ہماری تاریخ کا ایک سیاہ باب بن چکا ہے جو عوامی راج کے موجد اور کشمیر کے سب سے بڑے عوامی رہنما [illegible] کشمیر کے ذریعے یہاں روبعمل لایا گیا۔

ووٹروں کی فہرستیں مرتب کرنے کے لیے ایک نشست کے حساب سے ساری ریاست کے لیے کل ایک سو نشستیں متعین ہوئیں، پچیس نشستیں سیز فائر لائن کے اُس پار اُس علاقے کے لیے ریزرو کی گئیں جو پاکستان کے قبضے میں چلا گیا تھا اور آزاد کشمیر کہلاتا تھا۔ باقی پچھتر نشستوں میں سے تینتالیس صوبہ کشمیر کے لیے اور بتیس صوبہ جموں کے لیے مخصوص ہوئیں۔ ان نشستوں کے لیے نامزدگی چھان بین اور پولنگ کی تاریخیں بھی مقرر کی گئیں۔ وقت قریب آتا گیا۔ سرینگر میں نیشنل کانفرنس کی صوبائی کونسل کا اجلاس ہوا اور مجلس آئین ساز کے لیے پینتالیس امیدوار نامزد کیے گئے۔ نامزدگی کے کاغذات داخل کرنے کی مقررہ تاریخ پر یہ ممبران متعلقہ ریٹرننگ آفیسروں کے دفتروں میں حاضر ہوئے اور رسماً ان کے پاس نامزدگی کے کاغذات داخل کیے۔ متعلقہ ریٹرننگ دفتروں کے آس پاس لٹھ بند والنٹیر تعینات کیے گئے تھے تاکہ نیشنل کانفرنس کے نامزد ممبران کے بغیر اور کوئی کاغذات نامزدگی داخل کرنے کے لیے ان دفتروں کی طرف اپنے قدم نہ بڑھائیں قبل ازیں کے کوئی قدم آگے بڑھائے اس کی ٹانگیں توڑ دی جائیں مختلف مقامات پر کئی امیدواروں میں مرزا عبدالرشید، محمد حسین خان، مفتی عبدالغنی اور نورالدین گنائی قابلِ ذکر ہیں۔ ان کی واقعی ٹانگیں توڑ دی گئیں۔ کیونکہ ہسپتال میں انہیں مرہم پٹی کرانی پڑی۔ مفتی عبدالغنی کی ٹانگ کی ہڈی ٹوٹ گئی تھی۔ اور مرزا عبدالرشید کے ۱۴ ٹانکے لگے۔

ان اصحاب کی درگت ہوتے دیکھ کر باقی ڈر کے مارے واپس چلے گئے اور آزادی جمہوریت کی دہائی دینے لگے ــــ اگلے روز نیشنل کانفرنس کے اکتالیس آدمی اس طرح

اسمبلی کا ٹکٹ حاصل کر گئے جس طرح وزن کرنے والی آٹومیٹک مشین میں آدمی ایک سکہ ڈال کر بلا تکلف وزن کا ٹکٹ حاصل کرتا ہے، یہ کارروائی اتنی صفائی اور سرعت سے عمل میں آئی کہ دیکھنے والے دیکھتے ہی رہ گئے۔

صوبہ جموں میں پرجا پریشد کا زور دیکھ کر وہاں ان کے فارم ہی رد کر دیئے گئے اور پہلے ہی مرحلے پر نیشنل کانفرنس کے سامنے کھڑی رکاوٹ کو آسانی سے ہٹایا گیا۔

وادی میں تحصیل ہیڈ کوارٹروں پر اور سرینگر میں عدالت کے صدر کے احاطے میں حلقہ ہائے انتخاب کے نیشنل کانفرنسی امیدوار حاضر ہوئے اور صرف دس منٹ کے اندر اندر "آنریبل" بن کر واپس نکلے۔ چھان بین کے روز دفتروں کی چار دیواریوں میں متعلقہ ریٹرننگ آفیسروں نے بلا روک ٹوک نیشنل کانفرنس کے ہر امیدوار کے ماتھے پر ممبری کی مہر لگا دی، نیشنل کانفرنس کے بغیر جو کوئی بھی کاغذات بھرنے آیا اس کو پچھلے دروازے سے بھگا دیا گیا جس کسی نے بھاگنے میں حجت دکھائی اُسے خوب اچھا سبق سکھایا گیا۔ اس سارے ڈرامے کے دوران عام لوگ تو در کنار ان احاطوں اور دفتروں کے متصل رہنے والوں تک کو پتہ نہ چل سکا کہ اندر کونسی رسم ادا ہو رہی ہے۔

نیشنل کانفرنس نے جن امیدواروں کو نامزد کیا تھا ان میں اکثر ایسے تھے جن کے نام اور کام سے ان کے اپنے حلقے کے لوگ بھی ناواقف تھے۔

بہرحال کسی پولنگ اسٹیشن پر لوگوں کو جمع ہونے کی زحمت نہیں ہوئی کسی جگہ رائے دہندگان کے فیصلے کی ضرورت پیش نہیں آئی، کسی مقام پر ووٹ ڈالنے اور ووٹ گننے کا عمل زیر کار نہیں آیا۔ نمائشی چھان بین کے وقت کسی بھی معزز ممبر کے سامنے کسی حریف کو سامنے آنے نہیں دیا گیا۔

صوبہ کشمیر میں اکتالیس نشستوں پر نیشنل کانفرنس کے بلا مقابلہ کامیاب ہونے کا اعلان کیا گیا۔ لیکن دو نشستوں کا معاملہ ذرا اٹک گیا دو نیشنل کانفرنسی غیر مسلم امیدواروں نے لٹھ بند والینٹروں کی نظریں بچا کر اپنی ٹانگوں کو محفوظ رکھ کر کاغذات نامزدگی داخل کرنے میں کامیابی حاصل کر لی تھی جو نیشنل کانفرنس کی لیڈرشپ، عوامی راج کے موجد آزادی کے پاسبان اور جمہوریت کے دلدادہ کے لیے سخت تشویش کی بات بنی، نیشنل کانفرنس نے بارہمولہ کے حلقۂ انتخاب کے لیے سردار ہربنس سنگھ

کو منڈیٹ دیا تھا۔ اس کے مقابلے میں سنت سنگھ گیانی کھڑا ہوا۔ سرینگر بین نیشنل کانفرنسی امیدوار شیام لال صراف کے مقابلے میں شیونرائن فوطے دار نے کاغذات داغ دیے تھے۔ چھان بین کے روز دوسرے حریفوں کی طرح ان دونوں کو پچھاڑنے کی ہر ممکن کوشش کی گئی۔ بالواسطہ اور بلاواسطہ ہر طرح کا دباؤ آزمایا گیا۔

ڈرانے دھمکانے کے بہت سارے حربے بروئے کار لائے گئے، لیکن دونوں امیدوار اپنی ضد پر ڈٹے رہے۔ فوطیدار کے میدان میں اترنے سے صراف کی کامیابی مشکوک تھی اسی طرح سنت سنگھ گیانی کے انتخابی دنگل میں شامل ہونے سے ہربنس سنگھ کی کامیابی کی امید باقی نہیں رہتی تھی۔ ان دونوں حلقوں کے لیے رائے دہی کی تاریخیں تو پہلے ہی مقرر ہوئی تھیں۔ ابھی پولنگ کی تاریخ دور تھی۔ آثار و قرائن سے البتہ یہ ظاہر ہو رہا تھا کہ دونوں مخالف امیدوار میدان مارنے والے ہیں۔ کشمیر اور کشمیر سے باہر معمولی فہم و فراست کے لوگ بھی جو دور سے اس مضحکہ خیز ڈرامے کو دیکھ رہے تھے۔ یہ سمجھنے سے قاصر تھے کہ ۴۳ میں سے اہم نشستیں اتنی آسانی اور چابکدستی سے جیب میں ڈالنے کے بعد اربابِ اختیار باقی دو نشستوں کو بلا مقابلہ حاصل کرنے کے لیے اتنے بے تاب اور بیقرار کیوں ہیں۔؟

اگر بالفرض دو مخالف ممبر منتخب بھی ہوتے ہیں تو کونسا آسمان ٹوٹ پڑ سکتا ہے۔ آخر اتنے بڑے ایوان میں دو مخالف ممبر کس شمار و قطار میں ہیں۔ مگر آزادی جمہوریت اور حق رائے دہی کے مجاور نے گویا قسم کھائی تھی کہ میں ایوان اسمبلی میں کسی غیر امیدوار کو ٹکنے نہیں دوں گا، چاہے اس کے لیے مجھے آزادی کا گلا گھونٹ کر جمہوریت کا قتل ہی کیوں نہ کرنا پڑے۔ اسمبلی کا تقدس ملیا میٹ کیوں نہ کرنا پڑے۔ بالغ رائے دہی کے اصول کو دفنانا کیوں نہ پڑے اور ایسا کرنے کے لیے خود ہی کدال ہاتھ میں لے کر قبر کھودنا کیوں نہ پڑے۔

سوجھ بوجھ کا تقاضا تو یہ تھا کہ اس مرحلے پر جب کہ انتخاب کے ڈھونگ کو اس میکانکی انداز سے رچا کر سرکار اور تنظیم نے اپنے چہرے پر بدنامی اور رسوائی کی کالک مل دی اور بے شمار داغ ثبت کر دیئے کم از کم ان دو نشستوں پر آزادانہ انتخاب کی اجازت دی جاتی اس رسوائی کے ان بدنما داغوں سے دو ایک تو دُھل جاتے، لیکن یہاں تدبّر اور سوجھ بوجھ سے کب کام لیا گیا۔

اربابِ اقتدار کسی بھی قیمت پر ان دو نشستوں پر قبضہ کر کے اپنا لوہا منوانا چاہتے

تھے اور ایوان اسمبلی کی بنیاد جھوٹ، مکر و فریب اور دھوکہ سے ڈالنے کا تہیہ کیے ہوئے تھے چنانچہ جھوٹ، دھوکہ اور فریب سے ایوان اسمبلی کا وجود روبہ عمل لانے کے لیے ان دو انتخابی حلقوں میں انتخابی مہم کا آغاز ہوا۔

یہ مہم اس لحاظ سے انوکھی اور نرالی تھی کہ تنظیم کے عہدیدار اور والنٹیئر جگہ جگہ گھوم کر جلسے بلاتے، تقریریں کرتے اشتہارات اور پمفلٹ بانٹتے لیکن ان کے حریفوں کو یہ سہولتیں میسّر نہ تھیں۔ انہیں نہ کبھی کسی جگہ جلسہ کرنے کی اجازت تھی اور نہ اشتہارات اور پمفلٹ تقسیم کرنے دیا جاتا، اگر کوئی بھولے سے اس قسم کی غلطی کرتا تو ان پر آزادی اور جمہوریت کے ڈنڈوں سے ایسا وار کیا جاتا کہ وہ دوبارہ سڑک پر آنے کی جرأت نہیں کر سکتا۔ حق تو یہ ہے کہ کسی بھی شخص کو حزبِ مخالف کے حق میں دو بول بولنے نہیں دیا جاتا۔ ایسے شخص کے منہ میں مٹی ڈال کر اس کا منہ بند کر دیا جاتا۔

ایک طرف حکومت کی ساری مشنری اور تنظیم کا سارا لاؤ لشکر مخالف امیدواروں کو چاروں شانے چت کرانے کے لیے میدان میں آ گیا تھا۔ دوسری طرف مخالف امیدوار اپنے رائے دہندگان سے زبانی تو کیا تحریری رابطہ تک پیدا کرنے سے قاصر تھا۔

اگر آزادی اور جمہوریت کے علمبرداروں کو شبہ ہوتا کہ مخالف ممبر کسی کے گھر میں گھس گیا ہے اور وہاں اپنے حق میں ووٹ ڈالنے کی اپیل کر چکا ہے تو اس گھر کی اینٹ سے اینٹ بجا دی جاتی تھی۔

بارہمولہ حلقۂ انتخاب میں وہاں کا آتش فشاں ایڈمنسٹریٹو آفیسر اور اس کے حاشیہ بردار سنت سنگھ گیانی کے خلاف آگ برسا رہے تھے لیکن سنت سنگھ یا انکے کسی آدمی کو اس غلط پروپیگنڈے کی تردید میں کسی بھی مقام پر زبان کھولنے کی ہمت نہ پڑتی تھی۔ ایک سکھ نوجوان سردار سرجیت سنگھ جو ان کا پولنگ ایجنٹ بن کر بارہمولہ کے بازاروں میں آزادی سے چلنے لگا تو آزادی کے ٹھیکہ داروں اور جمہوریت کے علمبرداروں نے اسے ایک چیلنج سمجھ کر ہندو مسلم سکھ اتحاد کا نعرہ لگا کر سرجیت سنگھ کو ایسا زدوکوب کیا کہ وہ معافی نامہ پیش کرنے کے لیے مجبور ہو گیا۔ معافی نامہ دے کر وہ سیدھا مشن ہسپتال گیا جہاں اس نے اپنی مرہم پٹی کروائی۔

اس زور زبردستی کے خلاف سنت سنگھ گیانی نے احتجاج کیا اخباروں نے

جب یہ خبر چھپی تو پریس کی گویا شامت آ گئی، پریس اور پریس والے عتاب کا شکار بنائے گئے۔

ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ نے سرینگر اور سرینگر سے باہر حزبِ مخالف کے اشتہارات چھپوانے کی درخواست بار بار مسترد کی۔

سرینگر اور بارہمولہ کے ان انتخابی حلقوں میں مخالف امیدواروں کو پچھاڑنے کے لیے ایک دہشت ناک قسم کی مہم چلائی گئی مگر ان تمام مشکلات اور سختیوں کے باوجود دونوں اپنی اپنی جگہوں پر ڈٹے رہے۔ دہشت اور خوف و ہراس کے بل بوتے پر جو صورت حال یہاں پیدا کی گئی اس کا ہلکا سا تصور بھی کسی حریف کو میدان چھوڑنے پر مجبور کر دیں۔ لیکن مخالف امیدواروں کو نہ معلوم کس غیر مرئی قوت پر اعتماد تھا کہ وہ ڈٹ کر مقابلے کے لیے کھڑے رہے اور اس ہیبتناک مہم سے جو انہیں فرقہ پرست رجعت پسند، مفاد پرست، قوم دشمن اور اسی طرح کے کئی اور اوصاف سے جگہ جگہ متصف کر چکی تھی بالکل خائف نہیں ہوئے۔ جب آزادی اور جمہوریت کے دعویداروں نے دیکھا کہ مخالف محاذ چھوڑنے کے لیے تیار نہیں تو ان کے خلاف دوسرا محاذ کھولنے کا فیصلہ کیا گیا۔ دونوں حلقہ ہائے انتخاب میں یکایک ہوا کا رُخ بدل دیا گیا۔ ساری کوششیں کھلے بندوں دہشت پھیلانے پر مرکوز ہو گئیں۔ لوگوں کو بیانگ دہل کہا جانے لگا کہ فوطیدار اور سنت سنگھ کو ووٹ دے کر پاکستان کو ووٹ مت دو، شیونرائن اور سنت سنگھ کو ووٹ دینا ایسا ہے جیسے لیاقت علی خاں اور ظفر اللہ خاں کو ووٹ دیا جائے۔

پوسٹر چھاپے گئے — خبردار، ہوشیار — مخالف امیدواروں کو سامنے مت آنے دو۔ ان کے ناپاک عزائم خاک میں ملا دو۔

اتفاق سے یہ حربہ بالکل اُلٹا اثر کر گیا۔ مسلم اکثریت لیاقت علی خاں اور ظفر اللہ خاں کی آڑ میں پاکستان کو ووٹ دینے کے لیے کھُسر پُسر کرنے لگی۔ عام لوگوں کی طرف سے پاکستان کو ووٹ دینے کا چرچا ہوا تو حکومت کے ایوانوں میں خطرے کے الارم بجنے لگے۔ میٹنگوں پر میٹنگیں ہونے لگیں محاذ پر کمک بھیج کر فوطیدار کو گھیرے میں لیا گیا اور یہ گھیرا اتنا تنگ کیا گیا کہ انتخاب سے صرف دو دن پہلے ان سے میدان انتخاب میں ہتھیار ڈلوائے گئے۔

شیونرائن فوطیدار نے انتخاب سے دست بردار ہونے کا اعلان کیا تو نیشنل کانفرنس نے فتح کا جشن منایا۔

اس کے بعد بارہمولہ کے محاذ پر ساری کمک روانہ کر دی گئی بارہمولہ کے محاذ کو فتح کرنے کے لیے سوپور سے بہت سارے سرکاری آفیسروں اور اہلکاروں کو بلایا گیا مقامی پولیس اور حفاظتی دستوں کو بارہمولہ کے محاذ جنگ پر پہنچانے کے لیے سرینگر کی مزید پولیس اور ملیشیا کے دستوں کی مدد کے لیے روانہ کر دیا گیا۔ پولنگ کے روز صبح دس بجے تک بارہمولہ میں پولنگ آفیسروں اور پولنگ اسٹیشنوں پر تعینات کیے جانے والے دیگر اہلکاروں اور حفاظتی دستوں کی خاصی تعداد جمع ہو گئی لیکن قصبے میں خوف وہراس کا یہ عالم تھا کہ دو دو چار آدمی ٹولیوں میں بٹ کر بازاروں میں دفتروں کے سامنے گلی کوچوں میں اس طرح کانا پھوسی کر رہے تھے جیسے جگہ جگہ گولیاں چلی ہوں اور اب مارشل لاء لگا ہو۔

آزادی، جمہوریت اور حق رائے دہی کے دعویداروں کے لٹھ بند والینٹیر اور بندوق بردار ملیشیا ہیبت اور دہشت کے شعلے برساتے ہوئے بازاروں کا چکر کاٹ رہے تھے۔ اور بڑی ڈھٹائی سے ڈنڈے اور بندوق لہرا کر چلا رہے تھے۔

"ہے کوئی مائی کا لال جو ووٹ ڈالنے کی جرأت کر سکتا ہے"

اس صورت حال کو دیکھ کر سنت سنگھ گیانی ذمہ دار آفیسروں کے پاس گیا۔ پولیس اور مجسٹریسی کا دامن پکڑ کر اس زور زبردستی کا تدارک کرنے کے لیے گڑگڑایا انھوں نے انصاف کے نام پر سینہ کوبی کر کے آفیسران مجاز سے اپیل کی کہ وہ ووٹروں کو آسانی کے ساتھ پولنگ اسٹیشن تک آنے کی اجازت دیں اور جو کوئی ووٹ ڈالنے آئے اُسے صحیح وسالم گھر جانے کا بندوبست کیا جائے مگر کسی نے ان کی ایک نہ سنی پُرامن ماحول پیدا کرنے کی انکی ساری فریادیں اور آوازیں بے کار گئیں۔

بارہ بجے تک قصبہ بارہمولہ میں ایک ایسا ماحول پیدا ہوا کہ لوگ اپنے گھروں میں دروازے بند کر کے اس طرح دُبک کر بیٹھ گئے جیسے باہر مارشل لاء کی منادی کرائی گئی ہو۔ جب عوامی راج کے والینٹیروں نے ایک بجے تک کسی کو بھی پولنگ بوتھوں کی طرف آنے نہیں دیا اور اس دوران ایجنٹوں کے ذریعے نیشنل کانفرنس کے امیدوار کے حق میں ووٹ صندوقوں میں ڈالنے کا کام جاری رہا تو سنت سنگھ گیانی نے بارہمولہ کے محاذ پر اپنے ہتھیار ڈالنے کا اعلان کیا۔

اور اس طرح صوبہ کشمیر کی تینتالیس اور آخری نشست بھی جب نیشنل کانفرنس نے بلا مقابلہ حاصل کر لی تو سرینگر میں فتح کا جشن منایا گیا۔ آزادی، جمہوریت اور حق رائے دہی کی فتح کے شادیانے

بجنے جانے لگے۔

باہر کی دُنیا اس ڈھونگ، فریب اور دھوکہ کے ساتھ زور زبردستی کے خلاف احتجاج کر رہی تھی، غیر ملکی پریس اس انتخاب پر لعنت بھیج رہا تھا۔ لیکن نیشنل کانفرنس کے حمایتی کون پر گلا پھاڑ پھاڑ کر پکار رہے تھے۔

ایشیا کا بلند ستارہ — شیر کشمیر ہمارا
ہندو مسلم سکھ اتحاد — زندہ باد

انجمن اقوام متحدہ کے نمائندے ڈاکٹر جوزف کاربل نے اس الیکشن کے بارے میں کہا "کوئی ڈکٹیٹر بھی اس سے بہتر نہیں کر سکتا تھا"

ریاست جموں وکشمیر کے اس پہلے الیکشن جو عوامی راج میں عمل میں لایا گیا۔ کی عمل داری میں کشمیری عوام کے محبوب لیڈر شیر کشمیر کو ڈکٹیٹر کا خطاب ملا اور یہ وہ ڈکٹیٹر تھا جس نے مہاراجہ ہری سنگھ کو رائے عامہ بحال کرنے کے لیے للکارا جس نے اسمبلی کے قیام کے لیے سینکڑوں لوگوں کا یہاں خون بہایا۔ اس اسمبلی کی بحالی کے لیے لوگوں نے ٹکٹکی کھائی، قید و بند کی سزائیں لیں، سیکڑوں لوگوں نے اپنے جسموں پر گہرے زخم لیے۔

عوام کی حق رائے دہی کے لیے جموں وکشمیر کے لاکھوں عوام نے شیخ عبداللہ کو اپنا ترجمان کر ڈوگرہ شاہی سے ٹکر لی، اس حق کے حصول کے لیے یہاں کتنے لوگ شہید ہوئے کتنے بچے یتیم ہوئے اور کتنی عورتوں کا سہاگ اُجڑ گیا۔ اتنی ساری قربانیوں کے بعد جب عوام نے یہ حق حاصل کر لیا تو عوام کے رہنما نے اس حق کی سر راہ مٹی پلید کی۔

مہاراجہ ہری سنگھ جنہیں یہ لوگ ظالم اور جابر حکمراں کہا کرتے تھے، اُن کی تحویل میں جتنے بھی انتخابات ہوئے وہ اتنے پاک وصاف تھے کہ تاریخ ان کی پاکیزگی کا اعتراف کر رہی ہے آج ظالم وجابر حکمراں کے خلاف لڑنے والا عوام کا رہنما تاریخ کشمیر میں پاکیزہ انتخاب کو ناپاک کر رہا ہے۔

ہماری ریاست میں شخصی حکومت کے خاتمے کے بعد عوامی راج کے طفیل جو پہلا الیکشن ہوا الیکشن کے موقع پر ہماری قانون ساز اسمبلی ایک کنواری لڑکی کے مانند تھی۔

ڈوگرہ شاہی سے قوم کو نجات دلانے اور ریاست کو آزاد کرانے کے بعد جمہوریت کی راہ پر چلانے کا تقاضا تو یہی تھا کہ اس حسین کنواری لڑکی کی آبرو کی حفاظت کی جاتی مگر آزادی

اور جمہوریت کے نام پر جس طریقے سے انتخابات کو عمل میں لایا گیا اس کو مدِ نظر رکھ کر یہی کہا جا سکتا ہے کہ عوامی راج کی ابتدا میں جب عوام کو اپنی رائے کا حق دیا جا رہا تھا اس موقع پر اس حسین کنواری لڑکی کی عصمت لوٹ کر اس کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے داغدار بنا دیا گیا ۔۔۔



ایک کنواری لڑکی کی عزت جب ایک بار لٹ جاتی ہے تو اس کی یہ عزت کبھی بھی بحال نہیں ہو سکتی دُنیا کا کوئی قانون کوئی نظام اور کوئی معاشرہ ایسی کنواری لڑکی کی عزت و عصمت بحال نہیں کر سکتا جس کی عزت و عصمت لوٹ لی گئی ہو۔

ہماری قانون ساز اسمبلی ایک داغدار لڑکی کے مانند ہے اور اب دُنیا کی کوئی طاقت اس کا یہ داغ مٹا نہیں سکتی، اس کنواری لڑکی کے ساتھ جو گناہ کیا گیا یہ گناہ اب دُنیا کے سارے سمندر بھی دھو نہیں سکتے۔ جب تک یہ دُنیا قائم ہے ریاست جموں و کشمیر کی قانون ساز اسمبلی اس گناہ کا داغ لیے رہے گی۔

حسرت و افسوس کا مقام تو یہ ہے کہ جن لیڈران قوم نے عوام کو ووٹ دلانے اور قانون ساز ادارے کا حق دلانے کے لیے عوام کو قربانی کی بھینٹ چڑھا دیا انہوں نے ہی اس کی عزت و عصمت لوٹ لی۔ اس کا تقدس ملیامیٹ کر دیا۔

ریاستی عوام کو عوامی راج سے اس قسم کا واسطہ پڑا تو سنجیدہ اور سمجھدار لوگ عوامی راج

ڈوگرہ راج سے موازنہ کرنے لگے۔ ڈوگرہ راج نے رائے عامہ کے ساتھ کوئی چھیڑ چھاڑ نہیں کی ان کے دورِ حکومت میں مسلم کانفرنس نے اکیس میں سے اُنیس سیٹیں آسانی سے جیت لیں۔ ڈوگرہ راج سے عوامی راج کا موازنہ کر کے عقل و شعور رکھنے والے شرمندہ ہیں۔ ضمیر پچھتا رہے ہیں۔ سنجیدہ لوگ پشیمان ہیں۔ کچھ بھی ہو تاریخ کا ورق الٹ گیا تھا وہ جو کچھ ہونا تھا ہو چکا۔

ہماری ریاست میں عوامی راج کی پہلی قانون ساز اسمبلی بن گئی تو وہ دھوکہ اور فریب سامنے آ گیا جو دنیا کو دینے کے لیے کیا گیا تھا۔

ریاستی اسمبلی کا وجود دراصل بھارت کے ساتھ ریاست کے الحاق کی تصدیق کے لیے بنایا گیا تھا اور یہ فارمولا پنڈت نہرو کی طرف سے گوپالا سوامی آئینگر کی طرف سے شیخ عبداللہ تک پہنچا دیا گیا تھا۔

شری بی۔ این ملک اپنی کتاب "پنڈت نہرو کے ساتھ میرے سال" میں اس بات کی تصدیق کرتے ہیں کہ رائے شماری کا توڑ کرنے کے لیے کشمیر میں اسمبلی کے قیام کا تصور اصل میں گوپالا سوامی آئینگر کا تھا۔"

ریاست کی پہلی اسمبلی بن گئی تو اس اسمبلی کے افتتاحی اجلاس میں تقریر کے دوران شیخ محمد عبداللہ نے اپنے دل کی بات کہہ ہی دی۔



شیخ محمد عبداللہ

"۔۔۔ انڈین نیشنل کانگریس نے ریاست کے لوگوں کی تحریکِ آزادی کی مسلسل حمایت کی ہے۔ شخصی حکومتوں کا چراغ بجھ گیا ہے اور انتظامیہ کو نمائندہ حکومتوں کے حوالے کیا گیا۔ جمہوریت کے اقدامات کیے گئے۔ قدرتی طور پر اگر ہم ہندوستان کے ساتھ الحاق کریں گے تو وہاں جاگیرداروں اور مطلق العنانیت کی بحالی کا کوئی خطرہ نہیں۔ ہندوستانی آئین نے ملک کے تمام لوگوں کے سامنے بغیر کسی فرق و تمیز کے انصاف آزادی اور مساوات پر مبنی سیکولر جمہوریت کی منزل رکھی ہے۔"

مسئلۂ کشمیر کے بارے میں کشمیری عوام کے ساتھ ساتھ بیرونی دُنیا کے لوگوں کے سامنے پنڈت جواہر لال نہرو شیخ محمد عبداللہ کو ایک کٹھ پتلی بنا کر جو دل بہلائی کا کھیل کھیل رہے تھے بالکل یہی کھیل اس کٹھ پتلی کے ساتھ بھی کھیلا گیا۔

مرکز کے اشارے پر شیخ عبداللہ نے اسمبلی بنائی اور جب اس اسمبلی کے ذریعے وہ بھارت کے ساتھ الحاق کرانے کا آشیرواد لینے دہلی گئے تو پنڈت نہرو نے یہ آشیرواد دینے سے لیت ولعل کیا۔

۱۷ اپریل ۱۹۵۱ء کو جب شیخ عبداللہ انجمن اقوام متحدہ میں بھارت کے مستقل نمائندے شری بی۔ این راؤ کے ساتھ دہلی روانہ ہوگئے تو دونوں نے پنڈت نہرو سے اُن کے دفتر میں ملاقات کی، اس ملاقات کے دوران شیخ محمد عبداللہ نے پنڈت نہرو کے سامنے گوپالا سوامی آئینگر کی تجویز دہرا کر اسمبلی کے ذریعے بھارت کے ساتھ ریاست کے الحاق کی تصدیق کرانے کی اجازت مانگی، پنڈت جی نے کچھ سوچ کر اس مسئلے کو ابھی ملتوی رکھنے کو کہا تاکہ انجمن اقوام متحدہ کے سامنے ان کی پوزیشن متاثر نہ ہو۔ پنڈت نہرو کو پھر بھی دُنیا کو مُنہ دکھانے کا کچھ لحاظ تھا جبکہ ہمارا عوامی لیڈر اس لحاظ سے بھی عاری تھا۔

پنڈت نہرو اور شیخ عبداللہ کے درمیان بات چیت ہو رہی تھی کہ مرارجی ڈیسائی اندر داخل ہوئے۔ پنڈت نہرو نے مرارجی کے سامنے شیخ عبداللہ کی تجویز رکھدی۔

مرارجی ڈیسائی نے شیخ عبداللہ سے پوچھا۔

"کیا اس کام کے لیے آپ کو اسمبلی میں مطلوبہ ممبران کی حمایت ملے گی۔؟"

شیخ صاحب نے اقرار کر لیا تو پنڈت نہرو نے پوچھا،

"لوگ اس کے لیے مزاحمت تو نہیں کریں گے؟"

شیخ صاحب نے جواب دیا۔

"اس کی مزاحمت کرنے والوں کی تعداد زیادہ نہیں۔ اُن پر ہم قابو پا سکتے ہیں۔"

پنڈت نہرو نے کچھ سوچ کر جواب دیا۔

"ہمیں جلد بازی میں یہ قدم نہیں اُٹھانا چاہیئے۔ اس کے لیے سوچنا پڑے گا۔"

شیخ صاحب پنڈت جی کے آفس سے نکل کر اپنی رہائش گاہ پر آگئے اسی شام کو مولانا آزاد نے شیخ صاحب ملاقات کی، دوران ملاقات مولانا سے شیخ صاحب نے کہدیا۔ "آپ

پنڈت نہرو کو میرا مشورہ ماننے کے لیے آمادہ کریں، کیونکہ آج جو اکثریت نیشنل کانفرنس کو حاصل ہے کل کو وہ رہے نہ رہے کچھ کہا نہیں جاسکتا۔"

مولانا آزاد کو شیخ صاحب کا مشورہ معقول نظر آیا چنانچہ ان کے ساتھ بیشتر وزراء نے اتفاق کیا لیکن پنڈت نہرو جلد بازی میں اس قسم کا فیصلہ نہیں لینا چاہتے تھے پنڈت نہرو نے اس کام کے لیے رائے عامہ منظم کرنے کا مشورہ دیا تاکہ بڑے پیمانے پر اسکی مخالفت کا سامنا نہ کرنا پڑے۔

دہلی کے قیام کے دوران شیخ عبداللہ نے "نیشنل ہیرلڈ" کے نمائندے کو جو بیان دیا وہ اسی سلسلے کی ایک کڑی تھا۔

"ریاست جموں وکشمیر کے عوام نے اپنی قسمت ہندوستان کے عوام سے وابستہ کر لی ہے، کسی اشتعال کی وجہ سے یا مایوسی سے مجبور ہو کر نہیں بلکہ اپنی رضامندی سے یہ الحاق عمل میں آیا ہے۔ ہمارے عوام کا الحاق ہمارے مقاصد کے اشتراک کا آئینہ دار ہے۔ اور ان مشترکہ صعوبتوں کی وجہ سے ہے جو آزادی کے حصول کی خاطر ہمیں یکساں طور پر اُٹھانا پڑی ہیں۔ ہندوستان سیکولر جمہوریت کے اصول کا ضامن ہے اور ہمارا بھی یہی مقصد ہے۔"

ریاستی اسمبلی اور اسمبلی سے باہر شیخ محمد عبداللہ کے بھارت کے ساتھ حتمی الحاق کے بارے میں کئی وزراء کے ساتھ ممبران اسمبلی نے اختلاف کیا۔ اختلاف کرنے والے ایسے احباب تھے جو کسی غلط فہمی کے سبب بھارت کے ساتھ ریاست کے الحاق کو اب بھی تابع رائے شماری مانتے تھے وہ اصلیت سے ناواقف تھے، اور عام لوگوں کے ساتھ وہ بھی شیخ محمد عبداللہ کو سمجھنے میں غلطی کا ارتکاب کر رہے تھے۔



نہرو

شیخ صاحب کی اصلیت جان کر ان کے کئی ساتھی ان سے بدظن ہونے لگے چنانچہ اسی مسئلے کی بنیاد پر ان کی معزولی اور گرفتاری کا بہانہ بن گیا۔

جس وقت شیخ عبداللہ پنڈت نہرو سے اسمبلی کے ذریعے الحاق کی تصدیق کا آشیرواد لینے گئے اُس وقت انہیں پورا بھروسا تھا کہ میرے ساتھ ممبران کی اکثریت ہے، اور جب انہوں نے اسمبلی کے ساتھ اس مسئلے پر گفتگو کی تو خلاف توقع انہیں پتہ چلا کہ ممبران ان کا ساتھ دینے کے لیے تیار نہیں۔

اسے ان کی ستم ظریفی کہیے یا اور کچھ جس وقت پنڈت نہرو نے انہیں یہ کام کرنے کا سجھاؤ دیا اس وقت اسمبلی میں ان کی گرفت ڈھیلی ہو چکی تھی۔ چنانچہ جب پنڈت نہرو کا دباؤ بڑھ گیا اس وقت وہ بالکل بے بس تھے۔

شیخ صاحب کی معزولی اور گرفتاری کے بعد جب بخشی غلام محمد نے یہ کام اپنے ہاتھ میں لیا تو اپنی پہلی رہائی پر شیخ صاحب نے پریس کانفرنس میں بتایا۔

"مجھے اعتراف ہے کہ دستور ساز اسمبلی کے قیام کا اصل ذمہ دار میں ہی ہوں۔ لیکن الحاق کا فیصلہ اس وقت کیا گیا جب میں اور میرے ساتھی جیلوں میں ڈالے جا چکے تھے الحاق کا فیصلہ حاصل کرنے کے لیے متعدد ممبران کو نقدی اور روٹ پرمٹ کی شکل میں رشوت دی گئی۔ کوئی شخص یہ نہیں کہہ سکتا کہ الحاق کا یہ فیصلہ آزادانہ اور غیر جانب دارانہ فضا میں ہوا تھا۔"

اس موقع پر وزیر اعظم بخشی غلام محمد نے جواب میں کہا۔

"الحاق کو حتمی بنانے کا مجھ پر الزام لگانے والا یہ کیسے بھول گیا کہ ۱۹۴۷ء سے ۱۹۵۳ء تک انھوں نے الحاق کو ناقابلِ تنسیخ بنانے کی جتنی بھی کارروائیاں کیں، وہ تاریخ کا ایک حصہ بن گئی ہیں۔ معزز ممبران پر نقدی اور روٹ پرمٹ حاصل کرنے کا الزام لگانے سے پہلے انہیں اپنے گریبان میں منہ ڈال کر دیکھنا چاہیے۔ تاکہ وہ دیکھ لیں الحاق کے لیے اسمبلی کا انتخاب کس نے کیا۔

سچ تو یہ ہے کہ شیخ محمد عبداللہ میں سچ بولنے کی اخلاقی جرأت بھی نہ تھی۔ الحاق کے بارے میں ان کا آٹھ سالہ ریکارڈ سامنے تھا پھر بھی وہ جس ڈھٹائی سے اُس سے مکر گئے وہ بے شرمی کی منہ بولتی ایک تصویر تھی۔

باب (۲)

مسئلہ کشمیر، سلامتی کونسل اور کمیشن کا قیام

توفیق دے کہ پیش کروں غم کو اس طرح
دُنیا کو میرے غم پہ خوشی کا گماں رہے

جز :-

صفحہ نمبر

۱۔ برصغیر کی تقسیم کا ایک گمبھیر پہلو ۱۲۱

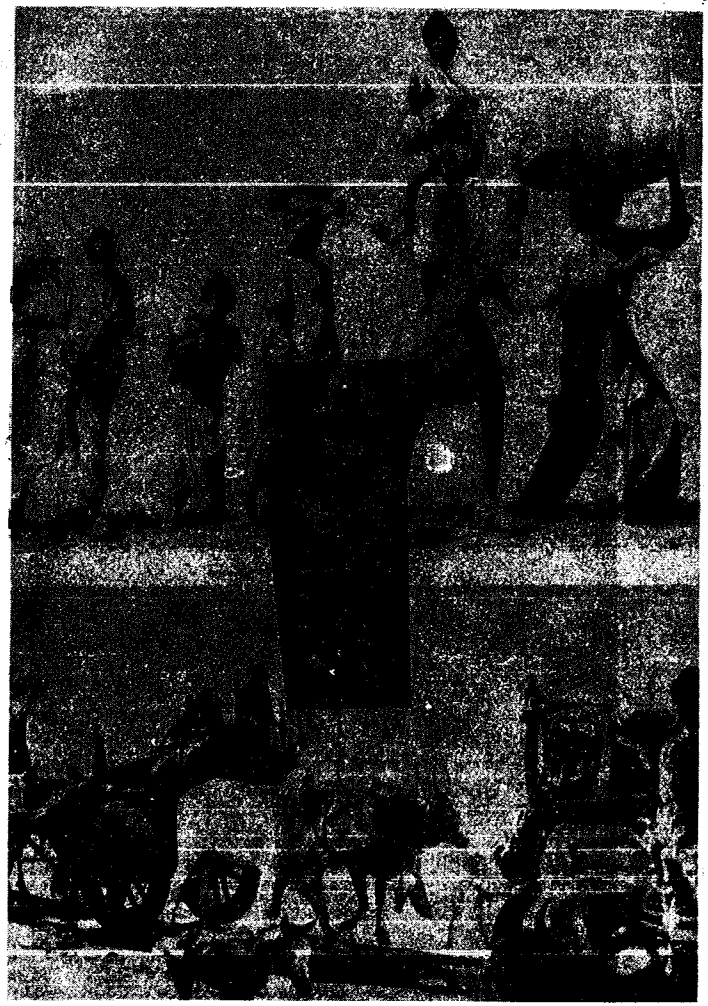
۲۔ مسئلہ کشمیر سلامتی کونسل میں جانے کی وجوہات ۱۳۳

۳۔ سلامتی کونسل کی طرف سے کمیشن کا قیام ۱۴۷

۴۔ وادی میں کمیشن کے ساتھ نامناسب برتاؤ ۱۵۹

۵۔ مسئلۂ کشمیر حل کرنے کے لیے کمیشن کی آمد
اس کی ناکامی کے اسباب ۱۶۵

۶۔ حکمرانِ کشمیر کی ایک نئی سیاسی کروٹ ۱۷۵



تقسیم میں یہ لوگ اپنا گھر بار لُٹا کر چلے



ریاست کی تقسیم کا انجام

پہاڑ کاٹنے والے زمیں سے ہار گئے
اِسی زمیں میں دریا سمائے ہیں کیا کیا

برصغیر کی تقسیم کا ایک گمبھیر پہلو

برصغیر کی تقسیم ہوئی تو ۱۴ اور ۱۵ اگست ۱۹۴۷ء کو ملک آزاد ہوا۔ ہندوستان کے نقشے میں مملکتِ پاکستان درج ہوا۔ برسوں کی لڑائی اور جنگ و جدال کے بعد انگریزی سامراج کو اپنی ہار تسلیم کر کے ہندوستان چھوڑ کر جانا پڑا۔ ہندوستان کو آزادی دے کر اس کے جو دو حصے کر دیئے گئے۔ اس کی وجہ سے انسانیت بٹ گئی۔ ہندو اور مسلمان زمین کے ساتھ تقسیم ہو گئے۔

برسوں تک انگریز سامراج کے ساتھ "ہندوستان چھوڑ دو" کی تحریک میں ہندو اور مسلمان دونوں کندھے سے کندھا لگا کر ایک ساتھ لڑ رہے تھے۔ چنانچہ ان دونوں کو ایک دوسرے سے الگ کر کے انھیں کمزور بنانے کا پلان بنایا گیا۔

اس پلان کا محرک کون تھا؟ آج اتنے برسوں کے بعد بھی یہ سوال حل طلب ہے۔

ملک اور ملک سے باہر کے کئی مفکّرین نے تقسیمِ ملک کی ذمہ داری بھارت کے کٹّر ہندو فرقہ پرستوں پر عائد کی جبکہ انگریز مفکّرین نے اس کا ذمہ دار پنڈت نہرو اور سردار پٹیل کو ٹھہرایا۔

کانگریس کے رہنماؤں کی نظر میں تقسیم کا ذمہ دار مسلم لیگ عمومی اور محمد علی جناح خصوصی طور پر ہے۔ جن کی ضد اور ہٹ دھرمی نے ملک کی تقسیم میں اہم رول ادا کیا۔ جب کہ محمد علی جناح کی نظر میں تقسیم کے ذمہ دار کانگریسی نیتا ہیں۔

حالات اور واقعات گواہ ہیں کہ تقسیم کے ذمہ دار جتنے پنڈت نہرو اور محمد علی جناح ہیں اس سے کہیں زیادہ انگریز سامراج ہے۔ کیونکہ ہندوستان سے جاتے جاتے وہ ہندوستان کے ٹکڑے کر کے دراصل اس ملک کو کمزور کر دینا چاہتے تھے۔ اس کے لئے انکے

دو نظریئے کام کر رہے تھے۔ ایک یہ کہ اس طرح انگریز ہندوستان سے اس ذلت کا بدلہ لے سکے۔ جو ذلت انھیں ملک بدر ہوتے ہوئے اُٹھانا پڑی۔ دوسرا یہ کہ کمزور ہو کر افراتفری کا شکار ہو سکے اور مجبوراً انھیں کہنا پڑے۔ 'یہ ہم سے نہیں سنبھلتا' اِسے تم ہی سنبھالو'۔

انگریز تقسیم کے دوران ہندوستان کے بارے میں بالکل وہی نظریہ اپنائے ہوئے تھے جو پاکستان کے بارے میں سردار پٹیل ــــ پاکستان کے بارے میں سردار پٹیل کا نظریہ یہی تھا کہ اُسے کمزور کر دو، یہاں تک کمزور کر دو کہ مسلم لیگ کے لیڈر ہم سے کہیں 'یہ ملک ہم سے نہیں سنبھلتا، اسے آپ ہی سنبھالئے'۔

تقسیمِ ملک کا ذمہ دار کون ہے اور کون نہیں؟ البتہ یہ ایک حقیقت ہے کہ ہندوستان کی آزادی کی بنیاد مذہب پر کھڑی کر دی گئی اور یہ بنیاد کچھ ایسی تھی کہ یہ اپنے ساتھ تباہی اور بربادی لائی۔ تقسیمِ ملک کے دوران برصغیر کی سرزمین بے گناہ خون سے رنگین ہو گئی۔ برصغیر کی آزادی کے ساتھ مذہبی اور قومی فسادات میں جو بے شمار لوگ مر گئے اور بے شمار گھر اُجڑ گئے اُس نے دونوں ممالک کے لئے بربادی کی تعبیر لکھ ڈالی۔

تقسیمِ ملک سے جہاں ہندو اور مسلمان ایک دوسرے سے دور ہو گئے وہاں اُن کے درمیان منافرت، دشمنی اور تعصب نے ڈیرا ڈال دیا۔ تقسیمِ ملک کے دوران آپسی فسادات نے بے گناہ خون بہایا، لاکھوں کی تعداد میں لوگوں کو گھر سے بے گھر کر دیا، دونوں طرف لوٹ مار، قتل و غارت گری اور عورتوں کی بے حرمتی کا ایسا بازار گرم ہو گیا کہ۔ انسانیت شرمسار ہو گئی۔ آج بھی جب اُن حالات کا ہم اندازہ کرتے ہیں تو رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔

برصغیر کی آزادی کے موقعہ پر سرزمینِ ہند و پاک پر جو دشمنی کا زہر بو یا گیا، وہ زہر آج بھی اپنا پھل دے رہا ہے اور کب تک یہ پھل دیتا رہے گا؟ کچھ کہا نہیں جا سکتا۔

برصغیر کی تقسیم پر جو انسانی خون بہایا گیا وہ اب بھی وقفہ وقفہ سے بہہ رہا ہے اور لگتا ہے یہ رہتی دُنیا تک اسی طرح بہتا رہے گا۔ آزادی کے چالیس برسوں کے بعد آج بھی بعض ہندو اور مسلمان ایک دوسرے سے برسرِ پیکار ہیں۔ ہندوستان کی مختلف ریاستوں اور صوبوں میں آئے دن کے فرقہ وارانہ فسادات پر غور کیا جائے تو یہ بات تسلیم کرنا پڑتی ہے کہ برصغیر کی تقسیم کا فیصلہ ایک غلط فیصلہ تھا۔ اس غلط فیصلہ کی

وجہ سے بعض ہندو اور مسلمان ایک دوسرے کے دِل سے دور ہو گئے۔

ان حالات اور واقعات کو دیکھ کر یہی کہا جا سکتا ہے کہ آزادی کے موقعہ پر برصغیر کی تقسیم کا فیصلہ ایک نامناسب اور غلط فیصلہ تھا اور اس دوران خونِ ناحق کو روکنے میں لیڈروں نے جو بُزدلی سے کام لیا وہ اپنی مثال آپ ہے۔

اگر برصغیر کی تقسیم ناگزیر تھی تو بالکل غلط طریقے سے اس فیصلے کو عملی جامہ پہنایا گیا۔ میرا ذاتی خیال ہے کہ فیصلہ ناگزیر ہونے کی صورت میں ملک کے تمام مسلمانوں کو علیحدہ کرنا ضروری تھا۔ چاہے اس کے لئے اور کئی علاقے دینے پڑتے۔ ہندوستان کے کسی بھی حصّے میں جو ایک بھی مسلمان ہوتا اُسے ہندوستان میں رکھنے کے بجائے پاکستان میں جانے کے لئے آمادہ کرنا تھا۔ مسلمانوں کو آدھا بیتر آدھا بٹیر کر کے نہ صرف انھیں ایک قسم کے عذاب میں مبتلا کیا گیا بلکہ ہندوستان کے لئے بھی اُن کے یہاں رہنے سے گوناگوں مسائل پیدا ہو گئے۔

ہندوستان میں مسلمان جہاں اپنے آپ کو غیر محفوظ محسوس کر رہے ہیں وہاں مسلم اقلیت کو تحفظ دینے کے لئے حکمرانوں کو مشکلات اور دشواریوں کے ساتھ بدنامی کا بھی سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔

بھارت سرکار آج مذہب، کلچر، زبان اور لسانی مسائل میں بہت زیادہ اُلجھ گئی ہے۔ ہندوستان کے رہنما لاکھ سیکولر نظریئے کی دُہائی دیں لیکن اُردو کو مسلمانوں کی زبان سمجھ کر اس زبان کے ساتھ جو سلوک کیا جا رہا ہے۔ وہ کسی سے پوشیدہ نہیں۔

مُسلمانوں کو اپنے ساتھ رکھ کر ہندوستان کئی مشکلات میں اُلجھ گیا اور مسلمان ہندوستان میں رہ کر اپنے کو غیر محفوظ محسوس کر رہا ہے۔

میں اس بات کو پھر دہرا رہا ہوں کہ تقسیم کا فیصلہ بالکل غلط تھا۔ اور اگر یہ فارمولا مان لینا دونوں فرقوں کے لئے ضروری تھا تو آدھے مسلمانوں کو اُدھر اور آدھے مسلمانوں کو اِدھر رکھنے کا کوئی جواز نہ تھا۔ اگر ایسا نہیں کیا گیا ہوتا تو فرقہ وارانہ فسادات کا کوئی مسئلہ نہ ہوتا۔ آزادی کے چالیس سال گزرنے کے بعد بھی فرقہ وارانہ فسادات پر قابو نہیں پایا جا سکا۔

ان فرقہ وارانہ فسادات کا ذمہ دار کون ہے اور کون نہیں؟ لیکن مرکزی سرکار اپنی ذمہ داریوں سے بری الذمہ ہو سکتی۔ ذمہ داریوں کو ایک طرف رکھا جائے تو ہندو اور

مُسلمان نظریاتی اور تہذیبی طور پر دو مختلف قومیں ہیں جو اپنے جلو میں ایک تضاد رکھتی ہیں۔

ذاتی طور پر میں دو قومی نظریئے کا ہرگز قائل نہیں۔ میرا عقیدہ یہ ہے کہ انسان کو ہرگز قومی اور مذہبی عینک سے نہیں بلکہ انسانیت کی عینک سے دیکھا جانا چاہیئے۔ انسانیت کو میں عبادت کا درجہ دیتا ہوں لیکن اپنی آنکھوں پر سے عینک اُتار کر جب میں دیکھتا ہوں تو ہندوستان کے مختلف علاقوں میں گاہے بہ گاہے اُٹھنے والے فرقہ وارانہ فسادات مجھے یہ کہنے کے لئے مجبور کر رہے ہیں کہ تقسیم کا فارمولا قطعی غلط تھا۔ ہندو اور مُسلمان دو علیٰحدہ قومیں ہیں۔ جو میری طرح ایک دوسرے کو انسانیت کی نظروں سے دیکھنے کے بجائے ہندو اور مسلمان کی نظر سے دیکھ رہی ہیں۔ جو ہندوستانی ہو کر جگن ناتھ آزاد کی طرح ہندوستان کا نقشہ یوں کھینچتے ہیں ؎

اے مسافر دیکھنے آیا ہے کیا اس دیس میں
عورتوں کا قتل، بچّوں کا لہو بہتا ہوا
کیا کرے گا دیکھ کے تُو ہند کے دریا پہاڑ
بستیوں میں دیکھ گھر گھر سے دھواں اُٹھتا ہوا
جس نے ہر دل میں کھلائے مہر و اُلفت کے چمن
دیکھ میرٹھ میں اُسی شاعر کا گھر جلتا ہوا

حقیقت سے انکار کئے بغیر یہ ماننا پڑتا ہے کہ ہندو اور مسلمان دو علیٰحدہ قومیں ہیں۔ یہ علیٰحدگی ہندو اور مسلمان کے درمیان خطِ تنسیخ کھینچتا ہے اور دونوں مذاہب کے ماننے والوں کے عقائد جو بالکل مختلف ہیں۔ اس بات کا تقاضا کرتے ہیں کہ یہاں رام جنم بھومی اور بابری مسجد کے جھگڑے اُٹھتے رہیں گے۔ اور مذہبی تفرقہ میں انسان کٹ مرتے رہیں گے۔ فرقہ وارانہ فسادات میں گھر اُجڑتے رہیں گے۔ دُکانیں لٹتی رہیں گی۔ کیوں کہ دونوں کے عقائد مختلف ہیں، ان کی راہیں مختلف ہیں۔

اسلام اور ہندومت کے بارے میں انگریز مفکّرین نے لکھا ہے :۔

"اسلام کی بنیاد ایک رسول صلعم، ایک مذہبی کتاب قرآن پر ہے۔ ہندو مذہب کا کوئی ایک بانی نہیں نہ ایک مذہبی کتاب ہے نہ ایک طریقۂ عبادت ہے نہ کوئی واحد نظریہ ہے۔ اسلام کے عقیدے کے مطابق خالق اور مخلوق جدا ہیں۔ خدا انسانیت کا

نگراں اور ہادی ہے۔ ہندو مذہب کی تعلیم کے مطابق خالق اور مخلوق ہم رشتہ ہیں۔ آتما ہی پرماتما ہے اور پرماتما ہی آتما۔ انسان کی روح کی رسائی خُدا تک ہے اور خدا انسان کی روح میں مکیں ہے اور روح کے ذریعے خُدا مختلف شکلوں میں ظاہر ہوتا ہے۔ اس لئے ہندو اپنے خدا کا تصور اور اس کی پُوجا ہر شکل میں کرتے ہیں۔ وہ اپنے بزرگوں کی مورتیوں، سادھوؤں میں، جانوروں اور پرندوں میں، غیر انسانی شکلوں اور فطری طاقتوں کی صورتوں میں، صفر اور لامحدود تصور میں، سانپ میں، مرد و عورت کی شرمگاہ، اعضاء تناسل، پانی، آگ، ستارے۔ اِن بے شمار شکلوں میں اپنے خدا کو پاتے اور پوجتے ہیں۔

اس کے برعکس مسلمان کا ایک خدا ہے اس کی کوئی شکل اور صورت نہیں ہے۔ مسلمانوں کی مذہبی کتاب ایک ہے، قرآن۔ جو صاف صاف ہدایت دیتا ہے کہ کسی شکل یا صورت میں خدا کا تصور کرنا ممنوع ہے۔

بُت اور بُت پرستی مسلمانوں کی نظر میں ناجائز ہے۔ مذہبی پیشواؤں کی تصویریں بنانے کو مسلمانوں نے ہمیشہ ناپسند کیا ہے۔ مسجدوں کی آرائش میں صرف اس بات کی اجازت ہے کہ ایسے نقوش بنائے جائیں جن میں کسی ذی روح کی تصویر نہ ہو اور اچھا ہے کہ خدا کے ننانوے نام کو ہی بار بار لکھا جائے۔ جبکہ بُتوں اور بُت پرستی سے ہندوؤں کو دلی عقیدت ہے مندر اور مسجد ایک دوسرے سے بالکل مختلف نظر آتے ہیں۔

مندر میں داخل ہوتے ہی یہ احساس ہوگا جیسے یہاں روحانیت کا ایک بازار سا سجا ہوا ہے گلے میں سانپ لپٹے ہوئے دیوتا، چار چار، چھ چھ بازوؤں والے دیوتا، کئی منہ رکھنے والے دیوتا، اُڑنے والے مافوق الفطرت ہاتھی، بندر کی شکل والے دیوتا، ناچتی ہوئی اپسرائیں (حوریں) پُراسرار "لنگ" وغیرہ۔

مُسلمان جماعت سے اجتماعی طور پر قرآن کی آیتیں پڑھتے ہیں۔ وہ قبلہ رُو ہو کر رکوع اور سجدہ کرتے ہیں۔ اس کے برعکس ہندو تنہائی میں

پوجا کرتا ہے۔ ایشور کی تقریباً چالیس لاکھ صورتوں میں سے اپنی خواہش کے مطابق ایک یا ایک سے زیادہ صورتیں چن لیتا ہے اور اپنی ساری دماغی طاقت اور روحانیت ان پر نثار کر دیتا ہے۔ پرستش تو وہ بتوں کی کرتا ہے لیکن اس کی منزلِ مقصود اس "برہم" (خدا) کی ہے جس کا نہ کوئی آغاز ہے نہ انجام، ہر موسم کا دیوتا الگ۔ یہاں تک کہ ہر بیماری کا دیوتا الگ۔ اس بھول بھلیاں سے باہر نکلنا سب کے لئے ممکن نہیں۔"

ہندو اور مسلمانوں کے درمیان مذہبی عقاید کے اس تفاوت کو مدِ نظر رکھنے کے باوجود ان انگریز مصنفین نے ہندو اور مسلمانوں کے اتحاد کے راستے میں سب سے بڑی رکاوٹ مذہبی نہیں بلکہ سماجی بتائی ہے۔ ان کا کہنا ہے :-

"ہندو سماج ذاتوں اور برادریوں میں بُری طرح بٹا ہوا تھا۔ اس بٹوارے کو سماجی خرابی سمجھنے کے بجائے ایک مذہبی روایت مانا سمجھا جاتا ہے۔ ذات برادری کا فرق ہندو سماج کی رگوں میں زہر کی طرح پھیلا ہوا تھا۔

سب ہندو تھے لیکن ایک دوسرے کو چھو نہیں سکتے تھے۔ نیچی ذات کے آدمی کو چھوتے ہی اونچی ذات والے کا خون اتنا گندا ہو جاتا تھا کہ اُسے فوراً بھاگ کر غُسل کرنا پڑتا تھا۔ سب سے اونچا مرتبہ تھا برہمن کا۔ اس کے بعد سلسلہ وار چھتری، ویش، شودر اور اچھوت، یہ پانچ ذاتیں تھیں لیکن ان سے پانچ ہزار شاخیں نکلی تھیں۔ لیکن برہمن ذات اٹھارہ سو چھیاسی ذیلی ذاتوں میں تقسیم ہو چکی تھی۔ اس ذات پرستی کے ساتھ ہندوؤں کے اِس تصوّر کا گہرا تعلق رہا ہے۔ کہ روح لافانی ہے اور بار بار جنم لیتی ہے۔ اس جنم میں جس کے اعمال جیسے ہوں گے آئندہ جنم میں جو نیچے یا اچھوت ہیں وہ پچھلے جنم کے اپنے اعمال کی وجہ سے اس جگہ پر ہیں جو نیچ یا اچھوت ہیں۔ ان کے ساتھ ہمدردی کیسی ۔؟ وہ تو پچھلے جنم کے گناہوں کی سزا بھگت رہے ہیں۔ ان کے اعمال خراب تھے۔ اس لئے انھیں کمتر اور حقیر درجہ ملا۔ اس خیال نے ہندوؤں کو دوسرے ہندوؤں کے بارے میں سخت اور بے رحم بنا دیا تھا۔

اِس کے برعکس اسلام میں سب برابر ہیں۔ سب بھائی بھائی ہیں۔ بہت

سے شودروں اور اچھوتوں نے اِس لئے اسلام قبول کر لیا کہ مسلمان بنتے ہی انھیں سب کی برابری کا سماجی درجہ مِل سکتا تھا۔ ایسی سماجی ترقی کی اُمید تو ہندو مذہب بھی دیتا تھا لیکن نہ جانے کس جنم میں؟

اسلام تو اسی جنم میں سماجی ترقی کا تحفہ لئے کھڑا تھا۔

ہندو کبھی نہ بھول سکے کہ مسلمانوں میں بہت بڑی تعداد ان لوگوں کی ہے جو پہلے کبھی ہندو تھے لیکن اچھوت تھے۔

کیا صرف مذہب بدل جانے کی وجہ سے وہ اچھوت نہیں رہے۔ اسلام نے اچھوتوں کو سماجی بلندی تو دی لیکن ہندوؤں نے سبھی مسلمانوں کے ساتھ اچھوتوں جیسا سلوک شروع کر دیا۔ اونچی ذات کا ہندو مسلمانوں کی موجودگی میں کھانے کو چھو بھی نہیں سکتا تھا۔ باورچی خانے میں اگر مسلمان کی پرچھائیں بھی آگئی تو سب کچھ ناپاک ہو گیا۔ مسلمانوں نے اگر کسی برہمن کو ذرا سا چھوا تو وہ چیختا چلاتا ہوا بھاگتا تھا اور نہا دھو کر خود کو گھنٹوں پوجا پاٹھ میں مصروف رکھ کر پاک کرتا تھا دیہاتوں اور شہروں میں ہندو اور مسلمان ساتھ ساتھ رہتے ہوئے بھی الگ الگ تھے۔ عام طور پر آبادیوں میں سڑک کے ایک طرف ہندو رہتے تھے۔ دوسری طرف مسلمان۔ کسی کا اپنے علاقے کو چھوڑ کر دوسرے کے علاقے میں رہنا خطرے سے خالی نہیں تھا۔ اوپری طور پر دونوں آپس میں ملتے جلتے ضرور تھے ایک دوسرے کے تیوہاروں میں شامل ضرور ہوتے تھے لیکن اندرونی طور پر دونوں کو ایک دوسرے سے کوئی خاص لگاؤ نہیں تھا۔ ہندو مُسلم شادی کبھی ممکن ہی نہ تھی۔ پانی بھرنے کے لئے دونوں فرقوں کے کنوئیں الگ الگ تھے۔ ان کے درمیان خواہ بالشت بھر کا فاصلہ ہو، زیرِ زمین ایک ہی چشمہ دونوں میں بہہ رہا ہو۔ لیکن کسی اونچی ذات کے ہندو نے مسلمان کے کنوئیں کا گھونٹ پانی پی لیا تو فوراً اس کی سانس رکتی ہوئی معلوم ہوتی تھی۔

ہندوؤں کے بچے پنڈتوں سے پڑھتے تھے۔ مسلمان بچّوں کو شیخ پڑھاتے تھے۔ رسم الخط مختلف تھے۔ طور طریقے الگ تھے۔ ابتدائی تعلیم کے دور میں ہی دانستہ یا نادانستہ طور پر ہندو اور مسلمان بچّوں کو ایک دوسرے سے نفرت

کرنا سکھایا جاتا تھا۔ اس آگ میں انگریزوں نے گھی ڈالا۔

"پھوٹ ڈالو اور حکومت کرو۔"

یہی پالیسی انگریزوں نے اپنائی لیکن بعد میں یہ سودان کے لئے مہنگا پڑا۔

اِن حالات میں جبکہ ملک فرقہ وارانہ بنیاد پر تقسیم ہوا۔ پورے ہندوؤں اور مسلمانوں کو تقسیم نہ کر کے جس فرقہ وارانہ فساد کی بنیاد برقرار رکھی گئی۔ اس کے جلوے اکثر دیکھنے کو ملتے ہیں۔ اور ملتے رہیں گے۔

ہندوستان میں ایسے غیر مسلموں کی کوئی کمی نہیں جو اقلیت کے ساتھ روا رکھے گئے سلوک کے بارے میں صدائے احتجاج بلند کرتے رہتے ہیں مگر پھر بھی ایسے لوگ اپنی ذہنیت کو تبدیل کرنے کے لئے تیار نہیں جنھیں ملک میں مسلمانوں کی آبادی کے اضافہ پر بے حد تشویش ہے اور یہی تشویش انھیں بعض اوقات اقلیت کے خلاف ہتھیار اٹھانے کے لئے مجبور کر رہی ہے۔ شیوسینا کے لیڈر مسٹر بال ٹھاکرے اب کھلم کھلا اس بات کا واویلا کر رہے ہیں:۔

"مسلمانوں کی آبادی ہندوستان میں ۴ کروڑ سے زائد ہو چکی ہے۔ جبکہ آزادی کے حصول کے وقت یہ صرف ڈھائی کروڑ تھی اس کا سبب یہ ہے کہ مسلمان فیملی پلاننگ نہیں کرتے۔ مگر ہندو اس پر عمل پیرا ہیں اور یہ مسلمان بڑے ناشکرے ہیں...

اُدھر سے خالصتانی مسلح ہو کر آگے بڑھیں گے ادھر سے مسلمان ہتھیار سنبھالے آجائیں۔ پھر تم، اے ہندو بھائیو! تم کیا کرو گے؟ کیا ان پر اپنی پوتر بھسم (راکھ) اُرادو گے.....

خیال رکھو پھر ہمیں ہتھیار اُٹھانے پر مجبور ہونا پڑے گا۔ ہمیں حکومت سے صاف صاف کہنا چاہیے کہ اس کی پولیس اور قوانین سے ہمارا تحفظ نہیں ہو سکے گا۔ ہمیں اپنی حفاظت آپ کرنی ہوگی، اور ہم کریں گے.....

یہ مُلک ہندوؤں کا ہے اور ہندوؤں کا رہے گا۔ یہ بات اچھی طرح دھیان میں رکھو۔ شیوسینا کو اقتدار مل گیا تو ہر فرد کو ہندو بنا دیا جائے گا.....

تم تمام مسجدیں اکھاڑ پھینکنا شروع کر دو۔ ہر مسجد کے نیچے تمھیں ایک ایک مندر ملے گا۔"

مُلک کی آزادی کے ساتھ انسانیت پر لگا ہوا زخم پچھلے چالیس برسوں سے برابر رِس رہا ہے اور حالات بتا رہے ہیں کہ ابھی نہ جانے کب تک یہ زخم اسی طرح رِستا رہے گا۔

برصغیر کی تقسیم کے ساتھ ہی ہماری یہ ریاست "جموں وکشمیر" بھی تقسیم ہو گئی۔ بھارت کی نظر میں کشمیر کا ایک حصّہ پاکستان کے قبضے میں ہے اور پاکستان کی نظر میں اس ریاست کا ایک حصّہ بھارت کے قبضے میں ہے۔

کس کے قبضے میں کیا ہے۔۔۔؟!

لیکن یہاں تو والدین اپنی اولاد سے، بھائی اپنی بہن سے جُدا ہے۔ بیٹا اپنے باپ کی صورت دیکھنے کے لئے ترس رہا ہے۔ ماں اپنے بیٹے بیٹی کے لئے ترس رہی ہے۔ دیارِ غیر میں آج بھی کئی مرد اور عورتیں اپنے وطن میں اپنی جنم بھومی میں دفن ہونے کے ارمان لئے ہوئے ہیں۔

سرزمینِ کشمیر کی تقسیم کے گھاؤ بہت گہرے ہیں۔ سرحد کے اس پار اور اس پار رہنے والے جن کا آپس میں خون کا رشتہ بھی تھا۔ جو کل تک ایک ساتھ اُٹھتے بیٹھتے سوتے اور جاگتے تھے۔ آج ایک دوسرے کے لئے اجنبی ہیں۔

آج سرحد کے اُس پار ایک ماں اپنی بیٹی کی شادی کی تقریب منا رہی ہے اور اُسی ماں کے بیٹے کا دوسری طرف جنازہ اٹھ رہا ہے۔ نہ بھائی کے گھر میں بہن کی شادی کی علمیت ہے اور نہ ہی بہن کو بھائی کی موت کا پتہ ہے۔ دیارِ غیر میں ایک عورت کا سہاگ اُجڑ جاتا ہے اور دوسری جانب ایک عورت شوہر کی غیر موجودگی میں بیوہ ہو جاتی ہے۔ نہ اس کا اُسے کوئی پتہ۔ نہ اُسے اس کی کوئی خبر۔۔۔ یہ ایک ایسا المیہ ہے جس کی شدّت کا اندازہ بھی نہیں لگایا جا سکتا۔

سوال یہ ہے کہ یہ کس نے کیا؟ اور یہ کون کرا رہا ہے؟!

ہم ڈوگرہ شاہی سے نجات پانے کے لئے کیا اسی لئے لڑ رہے تھے کہ ہم ایک دوسرے سے جُدا ہو جائیں۔ شخصی راج میں ہم جس حال میں بھی تھے لیکن سب ایک ساتھ تھے۔ عوامی راج میں ہم ایک دوسرے سے جُدا ہیں۔ جدائی کے زخموں سے چلا رہے ہیں۔ لیکن ہمارا مُنہ بند کیا جاتا ہے۔ ہم احتجاج کریں تو گولیوں سے ہمیں چھلنی کیا جاتا ہے۔

ہمیں نہ تب سکون تھا نہ اب اطمینان ہے۔

ہمارے مقدر میں لکھا ہوا افسوس ہمارا اپنا راج، ہمارا اپنا حاکم اور رہنما صد افسوس بن بدلتا رہا۔

THE UNIVERSITY OF MICHIGAN LIBRARIES

۱۹۴۷ء کا سال ہمارے مقدر میں دُکھ، مُصیبت، جدائی اور پریشانی لے کر آیا۔ اُس سال ہم اپنی ایک ہی ریاست کے لوگ لاکھوں کی تعداد میں کٹ مرے اور بے گھر ہو گئے۔

۱۹۴۷ء میں ڈوگرہ راج سے نجات پانے میں قبائلیوں نے ایک اہم رول ادا کیا۔ قبائلیوں کی مداخلت نے ہمارے لیڈرانِ قوم کو للکارا۔ اُنھوں نے قبائلی حملہ آوروں کو باہر نکالنے کے لئے بھارت سے فوجی امداد طلب کر لی۔ اس فوجی مدد کے لئے لیڈران قوم کو ریاست ہندوستان کے پاس گروی رکھنا پڑی۔

قبائلی حملہ آوروں کو کشمیر بھیج کر پاکستان کی اس نامناسب کاروائی کی باز پرس کرنے کے لئے ہندوستان نے سلامتی کونسل میں ایک اپیل دائر کر دی۔

اس طرح برصغیر کی آزادی کے ساتھ کشمیر کی آزادی میں ایک ایسے باب کا آغاز ہوا جس کو دونوں فریق اپنے اپنے معنی دے رہے ہیں۔



One of the 16 unidentified bodies found

All told, the number of dead during the days of rioting was estimated to be 100, by both Hindus and Muslims. Official figures are much lower, though the administration has been reluctant to give the names of the victims and burial or cremation was done so quickly that press photographers could not get to photograph the bodies.



فرقہ وارانہ فسادات کے مناظر فوٹو السٹریٹڈ ویکلی)

THE UNIVERSITY OF MICHIGAN LIBRARIES





ملیانہ ـــــ بے بس اور تباہ حال لوگ، جن کا سب کچھ لٹ چکا ہے!

ملیانہ کا قبرستان۔ جس میں بے گناہوں کی لاشوں کو دفنایا جا رہا ہے۔ (بحوالہ "انڈیا ٹوڈے")

فرقہ وارانہ فسادات کے مناظر

ساری ہی زمیں پر ہے ستم کرب و بلا کا
اب میری شہادت کا بیاں کون سُنے گا

مسئلہ کشمیر سلامتی کونسل میں جانے کی وجوہات

کشمیر کو بزورِ طاقت ہتھیا لینے کے بارے میں بھارت نے پاکستان پر الزام لگائے تو اسی قسم کے الزامات پاکستان نے بھارت پر لگائے۔ دونوں طرف کے الزامات اور جوابی الزامات جو ریڈیو، اخبارات، ٹیلگراموں اور خط و کتابت کے ذریعے ایک دوسرے پر لگائے جا رہے تھے۔ ان الزامات پر بحث کرنے کے لئے ایک دوسرے کو دعوت دینے اور دعوت قبول کرنے اور پھر دونوں طرف کوئی نہ کوئی رخنہ ڈالنے کا سلسلہ بھی جاری رہا۔ اگر کوئی میٹنگ ہوئی بھی تو اس میں کوئی حتمی فیصلہ نہ ہو سکا۔ چنانچہ آخری کوشش کے تحت یکم دسمبر کو نئی دہلی میں پاکستانی وزیراعظم لیاقت علی خان اور ہندوستانی وزیراعظم پنڈت جواہر لال نہرو کے درمیان ایک میٹنگ کا انعقاد ہوا۔ لیکن اختلاف ہنوز جاری رہا۔



(لیاقت علی خاں اور پنڈت جواہر لال نہرو)

۸ دسمبر ۱۹۴۷ء کو وزیراعظم ہند پنڈت جواہر لال نہرو اور گورنر جنرل لارڈ مونٹ بیٹن اِس سلسلے میں لاہور آئے اور مسئلہ کشمیر پر دونوں طرف سے بحث ہوئی، مسئلے کے مختلف پہلوؤں پر غور و خوض کر کے خاطر خواہ نتیجے پر پہنچنے کے لئے اگرچہ دونوں طرف سر توڑ کوشیں کی گئیں لیکن کوئی نتیجہ برآمد نہ ہو سکا۔ کیونکہ پنڈت نہرو اس بات پر زور ڈال رہے تھے کہ پہلے قبائلیوں کو پیچھے ہٹنے کے لئے کہا جائے۔

اس کے جواب میں لیاقت علی خاں نے مسٹر نہرو سے کہا۔

"میرے لئے یہ بات آسان ہے کہ میں قبائلیوں سے پیچھے ہٹنے کی اپیل کروں۔ البتہ اگر

اُنھوں نے اس اپیل کو خاطر میں نہیں لایا تو نتیجہ یہ نکلے گا کہ دونوں ڈومنین کے درمیان تعلقات مزید بگڑ جائیں گے اور اس قسم کی اپیل سے پاکستان کی موجودہ حکومت کو شدید مشکلات کا سامنا کرنا پڑے گا۔ آپ جانتے ہیں کہ پاکستان کی حکومت اتنی مضبوط نہیں۔ پاکستان کے اخبارات حکومت کی ہر بات پر نکتہ چینی کر رہے ہیں۔ ہم پر الزام لگایا جا رہا ہے کہ ہم کشمیر کو امداد دینے میں ناکام رہے ہیں اور ان حالات میں اگر پاکستان کی موجودہ حکومت گر گئی تو آپ بخوبی اندازہ کر سکتے ہیں کہ اس کی جگہ ایک انتہا پسند حکومت لے لیگی۔ اگر قبائلیوں کو حکماً روکا گیا تو وہ ان کے ساتھ لڑائی مول لینے کے مترادف ہوگا۔ بہتر تو یہ ہوگا کہ ہندوستان تمام تر فوجیں کشمیر سے ہٹالے اور رائے شماری کرانے سے پہلے ایک غیر جانبدار حکومت قائم کی جائے جو شیخ عبداللہ کی جگہ ریاستی انتظامیہ کو سنبھالے گی۔"

پنڈت جواہر لال نہرو نے اس کے جواب میں کہا:۔

"ہندوستان کی حکومت ریاست جموں وکشمیر سے تمام فوجوں کو نہیں نکال سکتی ہے۔ بالفرض اگر ایسا کیا بھی جائے تو ریاست پونچھ اور دوسرے مقامات مسلح فوجیوں کے رحم وکرم پر ہوں گے جس کے نتیجے میں افراتفری پھیل جائے گی۔ جہاں تک شیخ عبداللہ کے بغیر کسی نئے انتظامیہ کا تعلق ہے۔ یہ ایک ایسی تجویز ہے جس پر اگر آپ بھی ذرا دھیان دیں تو خود بخود ناقابلِ عمل دکھائی دے گا۔ ریاست جموں وکشمیر میں ایڈمنسٹریشن قائم کرنا ہمارا کام نہیں بلکہ وہاں کے باشندوں کا کام ہے۔ یہ ناممکن ہے کہ ہم شیخ عبداللہ کی جگہ کسی اور کو ایڈمنسٹریٹر مقرر کریں۔ پچھلے پندرہ برسوں سے شیخ عبداللہ ذمہ دار نظامِ حکومت کی جدوجہد کرتے آئے ہیں۔ جس کو حاصل کرنے کیلئے وہ اور اُن کے ساتھی بے مثال قربانیاں دے چکے ہیں کشمیر میں نیشنل کانفرنس کو وہی حیثیت حاصل ہے جو ہندوستان میں کانگریس کو اور پاکستان میں مسلم لیگ کو یہی وجہ ہے کہ نیشنل کانفرنس کی حکومت ریاست میں پہلی ذمہ دار حکومت کی حیثیت رکھتی ہے۔ یہی وہ جماعت ہے جس نے مہاراجہ سے اختیارات سنبھالے ہیں اور فی زمانہ لوگوں کو غیر فرقہ وارانہ مالا ہیں پرونے میں مصروفِ عمل ہے۔"

اس طرح طویل بحث ومباحثہ سے جب کچھ حاصل نہ ہو سکا تو گورنر جنرل نے مداخلت کرتے ہوئے فرمایا۔

"اب جبکہ ہم کسی نتیجے پر نہیں پہنچ سکے ہیں۔ کیوں نہ اقوام متحدہ کو مصالحت کنندہ کے طور پر تیسری پارٹی کی حیثیت میں بلا یا جائے تاکہ وہ کشمیر کے معاملے میں ہندو پاک کے درمیان مصالحت

کرا سکے۔ انجمن اقوام متحدہ کو مصالحت کنندہ بنانے سے قبل گورنر جنرل لارڈ مونٹ بیٹن نے برطانوی وزیر اعظم مسٹر اٹیلی کو بذریعہ تار ہند آنے کی دعوت دی تاکہ وہ اس مسئلے پر ثالثی کے فرائض انجام دے سکیں، لیکن مسٹر اٹیلی نے اس ذمہ داری کو قبول کرنے سے صاف انکار کیا اور لکھ دیا کہ اقوام متحدہ مسئلہ کشمیر حل کرنے کا مناسب اور موزوں مقام ہے۔"

چونکہ سلامتی کونسل میں کوئی شکایت پیش کرنے سے قبل یہ لازمی ہے کہ فریقین کے درمیان شکایات کا آفیشل تبادلہ ہوا ہو۔ اس لئے اس رسم کو پورا کرنے کے لئے لیاقت علی خاں وزیر اعظم پاکستان کے ہاتھ میں اس وقت شکایات کا ایک مراسلہ دیا گیا جب وہ مسئلہ کشمیر کے بارے میں میٹنگوں کے سلسلے میں دہلی آئے۔

ہندوستان نے اپنی شکایات حسبِ ذیل ترتیب دی تھیں:۔

"قبائلیوں کو پاکستان کی حکومت گولہ بارود اور پاکستان کی سرزمین سے گزرنے کی اجازت دے کر ریاست جموں وکشمیر پر جو اب ہندوستان کا حصہ بن چکا ہے۔ حملہ کرنے کی نہ صرف ترغیب دی بلکہ پاکستان ہی ان کو ریاست پر حملہ کرنے کے لئے اکسا رہا ہے اور یہ پاکستان کو اپنی کمیں گاہ بنا کر کشمیر پر حملہ کر رہے ہیں۔ قبائلیوں کے پاس جو جدید ہتھیار ہیں یہ انھیں پاکستان ہی سپلائی کر رہا ہے۔ یہ چیزیں قبائلیوں کے پاس نہیں ہو سکتی ہیں۔ ٹرانسپورٹ، پیٹرول اور کھانے پینے کی چیزیں بھی قبائلیوں کو پاکستان کی حکومت مہیا کرتی ہے۔ ہمارے پاس مصدقہ اطلاعات ہیں کہ قبائلیوں کو راشن پاکستان کے فوجی ڈپوؤں سے سپلائی ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ ہماری اطلاعات یہ بھی ہیں کہ قبائلیوں کو بھاری تعداد میں پاکستانی فوجی آفیسر فوجی تربیت دے رہے ہیں۔

حکومتِ ہند نے وقتاً فوقتاً پاکستان سے استدعا کی کہ وہ قبائلیوں کو مندرجہ ذیل امداد بہم پہنچانے سے گریز کریں:۔

۱۔ پاکستانی سرزمین کے استعمال سے گریز۔
۲۔ تمام فوجی اور دوسری سپلائی کی بندش۔
۳۔ تمام قسم کی امداد جو زیادہ عرصے کے لئے انھیں کشیدگی قائم رکھنے میں مددگار ثابت ہو۔"

مراسلہ کے آخیر پر انتباہ کیا گیا کہ اگر اس مراسلہ کا جواب نہ ملا تو حکومت ہند مجبور ہوگی کہ

THE CHANCELLOR OF MICHIGAN LIBRARY

وہ کوئی بھی حرکت جو کہ اقوام متحدہ کے چارٹر کے مطابق ہو، کرنے کی مجاز ہو گی۔"

نواب زادہ لیاقت علی خاں نے یہ مراسلہ لے کر پنڈت نہرو سے وعدہ کیا کہ اس کا جواب دیا جائے گا۔ مگر ۳۰ دسمبر ۱۹۴۷ء تک کوئی جواب موصول نہیں ہوا۔

لارڈ مونٹ بیٹن کی تجویز پر ۳۱ دسمبر ۱۹۴۷ء میں بھارت نے انجمن اقوام متحدہ سے درخواست کی اور عالمی ادارہ کو کشمیر کے بارے میں پاکستان کے خلاف لگائے گئے الزامات سے خبردار کیا۔ انھوں نے اقوام متحدہ کے چارٹر کے آرٹیکل ۳۴ اور ۳۵ کے تحت سلامتی کونسل کے صدر کو مراسلہ بھیجا، اور کشمیر کے حالات کے بارے میں ادارہ اقوام متحدہ کی توجہ مبذول کرائی۔

بھارت کے ساتھ الحاق کے مطابق بھارتی فوجوں کی آمد سے کشمیر میں جو صورتِ حال پیدا ہو گئی تھی۔ لارڈ مونٹ بیٹن کا خیال تھا پاکستان اس کے خلاف انجمن اقوام متحدہ میں اپیل دائر کر کے بھارت کو بطور مجرم پیش کرے گا۔ لہٰذا انھوں نے بھارتی لیڈروں کو اس میں پہل کرنے اور جُرم کا پتّا پاکستان کی طرف پھینکنے کا مشورہ دیا جسے اُنھوں نے فوری طور پر قبول کر لیا۔

چنانچہ بھارت نے سلامتی کونسل میں جو شکایات پیش کیں وہ یہ تھیں:۔

(۱) ۲۷ اکتوبر کو مہاراجہ کشمیر نے ریاست جموں و کشمیر کا الحاق بھارت کے ساتھ کیا۔

(۲) ۲۲ اکتوبر کو قبائلیوں اور پاکستان کے مُسلح شہریوں نے ریاست پر حملہ کر دیا۔

(۳) حملہ آور پاکستانی علاقے میں سے ہو کر آ رہے ہیں اور ان کو فوجی ساز و سامان ٹرانسپورٹ، پیٹرول اور دیگر سامانِ رسد پاکستان ہی سے مل رہا ہے۔

بھارت نے سلامتی کونسل سے درخواست کی کہ وہ پاکستان کو ہدایت کرے کہ:۔

(۱) پاکستان اپنے سول اور ملٹری حکام کو حملہ آوروں کی مدد کرنے سے منع کرے۔

(۲) اپنے شہریوں سے کہے کہ وہ جموں و کشمیر کی لڑائی میں حصّہ لینے سے احتراز کریں۔

(۳) حملہ آوروں کو کشمیر پر حملہ کرنے کے لئے اپنا علاقہ استعمال کرنے کی اجازت نہ دیں اور انھیں فوجی امداد اور دیگر سامان مہیا نہ کرے۔

سلامتی کونسل نے ۶ جنوری ۱۹۴۸ء کو "مسئلہ کشمیر" اپنے ایجنڈے پر رکھا۔ بھارت کی طرف سے ریاست کے سابق وزیر اعظم گوپالاسوامی آئینگر اور اس وقت کے موجودہ وزیر اعظم شیخ محمد عبداللہ سلامتی کونسل میں پیش ہوئے۔

پاکستان سے سر ظفر اللہ خان اپنے ملک کی طرف سے پیش ہوئے۔

پاکستان نے ۱۵ جنوری کو بھارت کے الزامات کا جواب دیا اور ایک جوابی شکایت سلامتی کونسل کے سامنے پیش کی۔

حکومتِ پاکستان نے اپنی شکایت میں کہا کہ بھارت کے ساتھ مہاراجہ کا الحاق فراڈ اور تشدّد پر مبنی ہے اور اس کی کوئی قانونی حیثیت نہیں۔

پاکستان کی طرف سے یہ بھی کہا گیا کہ اس کے لئے تمام پاکستانی باشندوں اور بالخصوص قبائلیوں کو کشمیر میں جانے سے روکنا ممکن نہیں ہے۔ جو اپنے کشمیری بھائیوں کو ظلم و تشدد کے پنجے سے چھڑانے کے لئے روانہ ہو رہے ہیں۔ اگرچہ پاکستان کی تمام تر اخلاقی ہمدردیاں مجاہدینِ آزادی کے ساتھ ہیں لیکن اُس نے ابھی تک انھیں کوئی مالی، فوجی یا مادّی امداد نہیں دی۔ حکومتِ پاکستان نے مسئلے کے لئے حسبِ ذیل تجاویز سلامتی کونسل کے سامنے رکھیں:

"(۱) کشمیر میں جنگ بند کرانے کے لئے اقوام متحدہ کا ایک کمیشن مقرر کیا جائے۔

(۲) ریاست میں جتنے افراد باہر سے داخل ہوئے ہیں خواہ وہ بھارت کے ہوں یا پاکستان کے، انھیں واپس بُلا لیا جائے۔

(۳) وہ مہاجرین جو ڈوگرہ اور بھارتی افواج کے ظلم کی تاب نہ لا کر پاکستان آ گئے ہیں۔ اُن کو دوبارہ ریاست میں جانے کی اجازت دی جائے۔

(۴) ریاست میں غیر جانبدار اور نمائندہ حکومت قائم کی جائے۔

(۵) اس امر کا فیصلہ کرنے کے لئے کہ ریاست کے عوام پاکستان کے ساتھ شامل ہونا چاہتے ہیں یا بھارت کے ساتھ۔ اقوام متحدہ کی نگرانی میں استصواب کرایا جائے۔"

سلامتی کونسل میں ہندوستان کے مستقل نمائندے نے پاکستان کے خلاف شکایات کا چارٹر پیش کیا تو پاکستان کے وزیر امورِ خارجہ سر ظفر اللہ خان پاکستان کی طرف سے سلامتی کونسل میں اپنے ملک کی نمائندگی کرنے کے لئے ایک وفد کے ساتھ نیویارک پہنچے اس وفد میں سر ظفر اللہ خان، چوہدری محمد علی سیکرٹری جنرل مملکت پاکستان، سردار محمد ابراہیم خان صدر آزاد کشمیر اور اُن کے سیکرٹری کی حیثیت میں ڈاکٹر محمد دین تاثیر شامل تھے۔ وفد نے اقوام متحدہ کے منشور ۳۵ کے تحت اور دفعہ ۶ کے مطابق پاکستان کی جانب سے سلامتی کونسل کے سامنے تین دستاویزات کی صورت میں اپنا کیس پیش کیا گیا۔

THE CHARGE OF THE HIGHLANDERS

دستاویز ۱ (جس میں کہا گیا)

"پاکستان جنگ کو بڑھاوا دینے کے لئے قبائلیوں کی نقل و حرکت کی حوصلہ افزائی نہیں کرتا ہے۔ نہ پاکستانی سرزمین قبائلیوں کو مستقروں کے طور پر استعمال کرنے کی اجازت دی گئی ہے۔ یہ بھی غلط ہے کہ پاکستان کی حکومت اسلحہ عسکری ساز و سامان، ٹرانسپورٹ قبائلیوں کو بہم پہنچاتا ہے یا انھیں دیتا ہے اور نہ ہی پاکستان کے فوجی افسران ان کی تربیت، ہدایت یا کوئی اور مدد دیتے ہیں۔"

دستاویز ۲ (اس دستاویز کے ذریعے)

"(۱) ہندوستان نے کبھی بھی صدق دلی سے تقسیم ہند قبول نہیں کی، اور جون ۱۹۴۷ء سے ہی اس تقسیم کو ملیامیٹ کرنے کی کوشش جاری رکھی۔

(۲) ایک سوچے سمجھے منصوبے کے تحت ہندوستان نے قتل و غارت کا بازار گرم کیا جو اس وقت بھی کئی علاقوں میں جواب ہندوستان کے حصے بن گئے ہیں، مسلمانوں کے خلاف جاری ہے۔ خاص طور پر ایسٹ پنجاب، دہلی، اجمیر، کپورتھلہ، فرید کوٹ، جند، نابھہ، پٹیالہ، بھرت پور، الور اور گوالیار وغیرہ کی ریاستیں جنھوں نے ہند کے ساتھ الحاق کیا ہے یہ قتل و غارت غیر مسلم حکمرانوں، پولیس، عام لوگوں، افسروں اور ریاستی آرمڈ فورس نے مل کر کیا اس علاقے کے امن کو صرف مسئلہ کشمیر سے ہی خطرہ نہیں بلکہ ہندوستان اور پاکستان کئی سنگین مسائل پر کسی بھی وقت لڑ سکتے ہیں۔

(۳) ہندوستان کے مسلمانوں کی آزادی، ثقافت، مذہب، بہبود و حفاظت اور زبان خطرے میں ہے۔

(۴) جوناگڑھ، منادر اور کاٹھیاوار کی دیگر ریاستیں جنھوں نے قانونی طور پر پاکستان سے الحاق کیا تھا اور پاکستان کے حصے بن گئے تھے کو ہندوستان نے زبردستی اور غیر قانونی طریقے سے اپنے ساتھ ملایا اور وہاں کے رہنے والے مسلمانوں کی زندگی اور جائیداد کو فوجی آفیسروں اور ہندوستان کے غیر مسلم باشندوں نے کافی نقصان پہنچایا۔

(۵) ہندوستان نے ریاست جموں و کشمیر کا الحاق تشدد اور دھوکہ سے کیا اور

وہاں کے مسلمانوں کا قتل و غارت اور لوٹ مار کیا۔ وہاں کے مہاراجہ، ہندوستانی حکومت اور ریاست کے غیر مسلم باشندوں نے اس میں ہاتھ رنگے۔

(۶) پاکستانی علاقے کے خلاف رائل انڈین ایئر فورس اور دیگر فوجیوں نے ہندوستانی علاقے اور جموں و کشمیر کی ریاست سے حملے کئے۔

(۷) ہند نے اس معاہدے پر عمل درآمد نہیں کیا جس کی رو سے پاکستان کو نقدی اور ملٹری اسٹور ملنا مطلوب تھا۔

(۸) ریزرو بنک آف انڈیا پر حکومت ہند نے بالواسطہ یا بلاواسطہ دباؤ ڈالا ہے۔ جس کے تحت یہ بنک بحیثیت بنکر اور پاکستانی انتظامیہ کے اپنے ان فرائض کو پورا نہیں کر رہا ہے۔ اس طرح پاکستان کی اقتصادیات میں تعطل پیدا کیا جا رہا ہے تاکہ پاکستانی کرنسی اور مالیات کا نظام تباہ ہو جائے۔

(۹) ہندوستان، پاکستان کو براہِ راست فوجی حملے کی دھمکیاں دے رہا ہے۔

(۱۰) ہندوستان کے جارحانہ حملوں کا واحد مقصد پاکستان کو تباہ کرنا ہے۔

دستاویز ۳ (اس دستاویز میں کہا گیا)

جب سے ہندوستانی مسلمانوں نے حق خود ارادیت کی جدوجہد شروع کی۔ ہندو اور سکھوں کی دشمنی بڑھ گئی اور جب تقسیم لابدی نظر آنے لگی تو قتل و غارت کا سہارا لیا گیا جو اس وقت بھی جاری ہے۔ اب اس کا مقصد پاکستان کو تباہ کرنا ہے۔ جوناگڑھ اور منادر پر قبضہ اس کا جیتا جاگتا ثبوت ہے اور اسی طرح ریاست جموں کشمیر کی اکثریت کو نظر انداز کر کے تشدد اور دباؤ کے تحت اس کا الحاق اپنے ساتھ کیا، پاکستان ان مسائل کا پُر امن حل چاہتا ہے۔ مگر ہندوستان، پاکستان کی حفاظت کو خطرے میں ڈالنے کی دھمکیاں دیتا ہے۔"

ان دستاویزات کے پیش کئے جانے کے بعد باضابطہ طور پر سلامتی کونسل کی کاروائی شروع ہوگئی اور فریقین کی طرف سے سوالات اور جوابات کا ایک لامتناہی سلسلہ شروع ہوگیا۔

حکومتِ پاکستان نے دستاویزات کے ساتھ اپنے جوابی مراسلے میں بھارت کے خلاف الزامات عائد کئے۔ حسبِ ذیل ہیں:۔

"ہند کشمیر الحاق کشمیری مسلمانوں کی خواہشات کے برعکس ہے۔ اس کی بنیاد دھوکہ فریب اور تشدد پر مبنی ہے۔ یہ الحاق اخلاقی، آئینی، جغرافیائی، مذہبی، ثقافتی اور اقتصادی ناطہ سے ناپائیدار اور جابرانہ ہے۔ مہاراجہ کشمیر کی طرف سے یہ کوشش کی گئی کہ۔ مسلمانوں کو کشمیر سے نکال باہر کیا جائے۔ جس کا کشمیری عوام نے مقابلہ کیا اور بغاوت میں سرحدی قبائلیوں نے ان کی مدد کی۔ حکومت نے اپنی افواج کو وہاں بھیجنے سے پہلے مشورہ کیا ہوتا۔ باوجود اس کے پاکستان نے لڑائی کو محدود دائرے میں رکھنے کی غرض سے قبائلیوں کی کثرت کو روکنے کی بے حد کوششیں کیں، فی الواقع اگر پاکستان کے باشندے لڑائی میں شریک ہوں گے تو وہ نجی رضا کاروں کی حیثیت میں ہوں گے اس میں حیرانگی کی کوئی وجہ نہیں۔ اگر پونچھ کے سپاہی پاکستانی فوج سے رخصت لے کر اپنے عزیز و اقربا کی امداد کر رہے ہوں۔"

اس مراسلے میں پاکستان گورنمنٹ نے ہندوستان کے خلاف اُن الزامات کو بھی دہرایا جنھیں بعد ازاں حکومتِ پاکستان نے انجمن اقوام متحدہ میں اپنے جوابی دعویٰ کی بنیاد بنا دیا۔

حکومت ہند نے سلامتی کونسل میں پاکستان سے شکایات کا جو میمورنڈم بھیجا۔ اس کو لارڈ مونٹ بیٹن نے تیار کیا تھا۔ اقوام متحدہ میں ہند کے نمائندے مسٹر پی۔ بی۔ پلے نے مسئلہ کشمیر کے بارے میں جو یادداشت لیک سیکس میں ۳۰ دسمبر ۱۹۴۷ء کو سلامتی کونسل کے صدر کو اقوام متحدہ کے منشور ۳۵ کے چارٹر ۶ کے تحت پیش کی۔ اس کے ساتھ یہ مراسلہ بھی بھیجا:

"متحدہ اقوام کے منشور ۳۵ کے تحت کوئی ممبر حفاظتی کونسل کو اُس صورت حال کی طرف متوجہ کرا سکتا ہے۔ جس کا باقی رہنا اندرونی امن و امان اور تحفظ کے لئے خطرہ کا باعث بن سکتا ہے۔ چنانچہ حملہ آوروں کو جو پاکستانیوں نیز پاکستان سے متصل شمال مغربی علاقے کے قبائلیوں پر مشتمل ہیں۔ جموں و کشمیر کی ایک ایسی ریاست کے خلاف، جو ہند ڈومنین سے الحاق کر چکی ہے اور اب اس کا جزو ہے۔ اپنی کارروائیوں کے لئے پاکستان سے جو مدد مل رہی ہے اس نے پاکستان اور ہندوستان کے درمیان اس وقت ایسی ہی صورت حال پیدا کر دی ہے۔ الحاق کے اسباب، حملہ آوروں کی سرگرمیاں جن کی وجہ سے حکومتِ ہند کو اُن کے خلاف فوجی کارروائی کرنی پڑی اور وہ امداد جو حملہ آوروں کو پاکستان سے ملی اور اب

بھی مل رہی ہے۔ اِن سب کی وضاحت اس یادداشت میں آگے چل کر کی گئی ہے حکومتِ ہند حفاظتی کونسل سے درخواست کرتی ہے کہ وہ پاکستان سے مطالبہ کرے کہ وہ ایسی امداد دینا فوراً بند کر دے جو ہندوستان کے خلاف ایک جارحانہ اقدام ہے اگر پاکستان ایسا نہیں کرتا تو پھر اس صورت میں حکومت ہند مجبور ہوگی کہ وہ حفاظت خود، اختیاری میں حملہ آوروں کے خلاف فوجی کاروائی کرنے کے لئے پاکستانی علاقے میں داخل ہو، اس لئے یہ مسئلہ انتہائی اہم ہے اور اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ۔ بین الاقوامی امن کو برقرار رکھنے کے لئے حفاظتی کونسل فوری کاروائی کرے۔"

۱۷ جنوری ۱۹۴۸ء کو سلامتی کونسل نے ایک قرارداد منظور کر کے "مسئلہ کشمیر" کی اہمیت کو تسلیم کر لیا، کونسل نے بھارت اور پاکستان کو امن و امان کی راہ پر گامزن ہونے کا مشورہ دیا اور اس کے ساتھ اتفاق کر لیا کہ بھارت اور پاکستان کے نمائندے قریب لائے جائیں اور سلامتی کونسل کے صدر کی کوششوں سے ایک ایسا تصفیہ تلاش کیا جائے جس سے مسئلہ کشمیر حل ہونے میں مدد مل سکے۔

بھارتی رہنماؤں نے اس سلسلے میں شیخ عبداللہ سے مشورہ کر کے اُن کی طرف سے سلامتی کونسل کو جو مراسلہ بھیجا۔ اس میں انھوں نے صدر کو لکھا:

"..... ہم سلامتی کونسل کو یہ ثابت کر کے دیں گے کہ کشمیر اور کشمیر کے لوگوں نے قانونی اور آئینی طور پر ہندوستانی ڈومنین کے ساتھ الحاق کیا اور پاکستان کو اس الحاق پر حرف لانے کا کوئی حق نہیں ہے....."

شیخ عبداللہ سے سلامتی کونسل کے صدر کے نام یہ مراسلہ حاصل کر کے لارڈ مونٹ بیٹن کو کوئی حیرت نہیں ہوئی۔ اُنکو پورا بھروسا تھا۔ شیخ عبداللہ بھارت کے حق میں ایسا ہی موقف اختیار کریں گے دراصل بھارت کے رہنماؤں نے شیخ صاحب کی ایک بہت بڑی کمزوری کا فائدہ اٹھا کر ان سے نہ صرف یہ مراسلہ حاصل کر لیا بلکہ انھیں بھارتی نمائندے کے ساتھ سلامتی کونسل بھیجنے کا فیصلہ ہوا، سر اریٹیل کی تجویز کو پنڈت نہرو نے قبول کر لیا۔

شیخ عبداللہ کو لیک سیکس بھیجنے کے لئے موزوں وقت پر ایک ایسا ہتھیار اُنکے ہاتھ آگیا جو اُنکے لئے سونے کا ثابت ہوا۔ (شیخ عبداللہ کی اس کمزوری جسے انھوں نے بھارتی رہنماؤں کی طرف سے بلیک میلنگ کا نام دیا ہے کی مفصل شیخ عبداللہ کی گرفتاری اگست ۱۹۵۳ء کے باب میں رکھنا مناسب سمجھتا ہوں۔ ش۔ ق)



شیخ محمد عبداللہ



گوپالاسوامی آئینگر



چوھدری سر محمد ظفراللہ خان

سلامتی کونسل کے لیے مسئلہ کشمیر کے بھارت پاکستان اور کشمیر کے نمائندے



مسئلہ کشمیر حل کرنے کے لیے انجمن اقوام متحدہ کے کمیشن کے ارکان جن کی کاروائی پر شیخ محمد عبداللہ نے پانی پھیر دیا

THE UNIVERSITY OF MICHIGAN LIBRARY

Seated, left to right, Narayan Apte, 34 —hanged; Veer Savarkar —acquitted; Nathuram Godse, 39, the killer, a fanatic newspaperman—hanged; Vishnu Karkare, 34, anti-Moslem proprietor of a tawdry travellers' hotel—life imprisonment. Standing, Shanker Kistaya, Badge's servant—convicted, but acquitted on appeal; Gopal Godse, 29, the killer's brother—life imprisonment; Madanlal Pahwa, 20, a Punjabi refugee who'd sworn to avenge his mutilated father—life imprisonment; Digamber Badge, 37, the arms peddler who disguised himself as a holy man—turned state's witness, released. (Opposite) police photos



India's Holy Man Died Pronouncing the Name of God

As he had hoped he would, Gandhi died crying "He Ram" ("Oh God!") with his last breath. Face frozen in the still serenity of death, India's murdered Mahatma offers his visage to his countrymen for an ultimate and pathetic darshan. His followers' parting tribute, a shower of rose petals, litters his winding sheet, made of cotton he had spun himself on his wooden spinning wheel.







سردار پٹیل نے شیخ محمد عبداللہ کو محمد علی جناح اور لیاقت علی خاں کے بارے میں بدظن کیا۔

ایسے خورشید کی ضو ریزیاں بے فیض رہیں
بحرِ ظلمات میں روشن جو قمر کر نہ سکا

سلامتی کونسل کی طرف سے کمیشن کا قیام

کونسل کے صدر نے ۲۰ جنوری ۱۹۴۸ء کو بھارت اور پاکستان سے ایک سہ رکنی کمیشن برائے ہند و پاک تشکیل کی تجویز پیش کی، اس تجویز کو سلامتی کونسل نے منظور کر لیا۔

سلامتی کونسل کے صدر کی ان تجاویز کے بارے میں گوپالاسوامی آئینگر این سی سٹیل واڈ کے ساتھ شیخ محمد عبداللہ نے نیویارک کے ایک ہوٹل میں تفصیلی گفتگو کی۔ شیخ صاحب نے وفد کے ارکان کو برطانوی نمائندے اور پاکستان کے کئی لیڈروں کے ساتھ بات چیت کی۔ تفصیلات بتاتے ہوئے واضح الفاظ میں کہا۔

"مختلف اشخاص کے ساتھ کئی ملاقاتوں کے بعد میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ یہاں سب کے سب پاکستان کی حمایت کر کے رائے شماری پر زور دے رہے ہیں۔ میں نے ذاتی طور پر یہ بات نوٹ کر لی اور میں وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ برطانوی عزائم کے بارے میں ہمیں کسی شک و شبہ میں نہیں رہنا چاہیے۔



بین الاقوامی ادارے سے انصاف حاصل کرنا مجھے مشکل نظر آ رہا ہے۔ ہم نے ایک بڑی غلطی کی جو ہم اپنا کیس لے کر یہاں آئے ہیں۔ مہاتما گاندھی نے پہلے ہی سلامتی کونسل میں اس کیس کو لیجانے کی مخالفت کی تھی۔ (سٹوینسن او رڈکسن)

مگر ان کی کسی نے ایک نہ سنی، میں نے یہاں آکر دیکھ لیا۔ یہاں سچائی اور انصاف کا نہیں بلکہ مفادات کا بول بالا ہے۔ ان کا بس چلے تو یہ آج ہی وہاں رائے شماری کرائیں گے لیکن ہمیں اس سے ہوشیار رہنا چاہیے۔

پنڈت نہرو نے مجھ سے دہلی سے روانگی کے وقت کہا تھا سوویت رُوس یہاں ہماری حمایت کرے گا لیکن اس سلسلے میں جب میں نے سوویت یونین کے نمائندے یعقوب ملک سے شکوہ کیا کہ آپ بھارت کی حمایت کیوں نہیں کر رہے ہیں تو انھوں نے جواب دینے کے بجائے مجھ سے سوال کیا کہ بھارت کو ریا کے بارے میں رُوس کا ساتھ کیوں نہیں دے رہا ہے۔ انھوں نے صاف صاف لفظوں میں بتایا۔ تم ہمارا ساتھ دو ہم تمھارا ساتھ دیں گے۔ تم ہمارے مفادات کی رکھوالی کرو، ہم تمھارے مفادات کی حفاظت کریں گے۔ مجھے یعقوب ملک کی باتوں میں معقولیت نظر آتی ہے، امریکہ اور برطانیہ کی موجودگی میں ہمیں سوویت روس کو اپنی حمایت کے لئے آمادہ کرنا چاہیے جب تک ہم ایسا نہیں کریں گے اور ایک طاقتور بلاک کو اپنی حمایت میں پیش نہیں کریں گے جب تک ہمارے مفادات کی یہاں کوئی رکھوالی نہیں کر سکتا، ہمیں سوویت روس کے نمائندے کی یہ بات گرہ باندھ کر رکھنی چاہیئے اور دہلی جا کر بھارت سرکار کو سوویت یونین کی حمایت حاصل کرنے کے لئے آمادہ کرنا چاہیئے جبھی تو ہم برطانیہ اور امریکہ کو اُن اقدامات سے باز رکھ سکتے ہیں۔"

مسئلہ کشمیر کے بارے میں سوویت روس کے لئے ہندوستان کی حمایت حاصل کرنے میں شیخ محمد عبداللہ نے ایک اہم رول ادا کیا اور اس کی بدولت سوویت روس نے مسئلہ کشمیر پر دو بار سلامتی کونسل میں اپنا ویٹو پاور استعمال کیا، رائے شماری[1] کے بارے میں سلامتی کونسل کی تجویز کو سبوتاژ کرنے کے لئے انھوں نے جو حکمتِ عملی اپنائی وہ اُن کے اس بیان سے عیاں ہے۔ بعد میں یہ شیخ محمد عبداللہ ہی تھے۔ جنھوں نے مسئلہ کشمیر میں سوویت روس کے طریقۂ کار کی مذمت کی۔ وہ ان روسیوں کو ریچھ کہنے لگے جنھوں نے مسئلہ کشمیر حل ہونے میں رکاوٹ ڈالدی اور بھارت کے حق میں ویٹو پاور کا استعمال کر کے کشمیر کے ساتھ دغا بازی کی۔

اقتدار میں رہ کر سوویت روس کو بھارت کے حق میں بولنے کے لئے روسی وفد کے منہ میں اپنی زبان رکھ کر شیخ عبداللہ نے جو رول ادا کیا وہ کسی سے پوشیدہ نہیں۔ رائے شماری کی،

---

[1] اس سے رائے شماری کے بارے میں شیخ عبداللہ کی نیت واضح ہو جاتی ہے۔ اقتدار کھو جانے کے بعد رائے شماری کے بارے میں ان کا شور مچانا عوام کو بے وقوف بنانے کے سوا اور کچھ نہ تھا۔

رکاوٹ کے لئے انھوں نے ایک سپر پاور کو اپنا ہمنوا بنانے کے لئے جو کچھ کیا وہ ایک دشمن بھی نہیں کر سکتا۔

البتہ اقتدار سے ہٹائے جانے کے بعد انھوں نے روسی پالیسی کی سخت ترین الفاظ میں جو نکتہ چینی کی۔ اس پر اصلی ریچھوں کو بھی ہنسی آتی ہوگی؟

۳۰ جنوری ۱۹۴۸ء کو جب سلامتی کونسل کا وفد ابھی نیو یارک میں ہی تھا۔ بھارت میں آزادی کے روشن مینار مہاتما گاندھی کا چراغ گُل کر دیا گیا۔ باضابطہ ایک سازش کے تحت ایک سر پھرے نتھو رام نے مہاتما گاندھی کے سینے میں گولیاں داغ کر ہندوستان کے محسن اعظم کو ہمیشہ کے لئے خاموش کر دیا۔

وفد جب نیو یارک سے دہلی کی طرف روانہ ہو گیا تو جہاز میں گوپالا سوامی آئینگر شیخ صاحب کے سامنے والی کرسی پر بیٹھے تھے۔ شیخ صاحب کے ساتھ بات چیت کرنے کے لئے انھیں پیچھے مڑ کر دیکھنا پڑتا تھا۔ گوپالا سوامی آئینگر شیخ عبداللہ کے ساتھ مسئلہ کشمیر پر دہلی پہنچنے سے پہلے پہلے بات مکمل کرنا چاہتے تھے۔ لیکن دو علیحدہ سیٹوں کی وجہ سے ایسا نہ کر سکے۔ چنانچہ انھوں نے ایک پرچی لکھ کر شیخ صاحب کی طرف بڑھا دی، اس پرچی پر گوپالا سوامی آئینگر نے مسئلہ کشمیر پر اپنی رائے لکھ دی تھی:

"چونکہ میں کئی برسوں تک کشمیر میں بحیثیت وزیر اعظم رہ چکا ہوں اس لئے میں وہاں کے حالات سے کماحقہ واقف ہوں۔ وہاں کے لوگوں کی چاہت ہے کہ وہ ہندوستان کے مقابلے میں پاکستان کے ساتھ رہنا پسند کرتے ہیں۔ میں کافی غور و خوض کے بعد اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ کشمیر کو یا تو پاکستان کے ساتھ شامل ہونا چاہیے نہیں تو آزاد اور خود مختار رہنے میں ہی اس کی بہتری ہے، اس طرح برِ صغیر کے لوگوں کو امن و شانتی سے رہنے کی گارنٹی مل سکتی ہے۔ ورنہ یہ خطہ ہمیشہ شورش کی آماجگاہ بنا رہے گا۔ مجھے اُمید ہے آپ میری اس رائے کے ساتھ اتفاق کریں گے اور اسی نظریئے کو لے کر دہلی جا کر بات چیت کریں گے۔ آپ نے خود محسوس کیا ہوگا کہ انجمن اقوام متحدہ میں یہ مسئلہ سلجھنے کے بجائے اُلجھ سکتا ہے۔"

گوپالا سوامی آئینگر کی اس پرچی کو شیخ عبداللہ نے پڑھ کر اپنی جیب میں رکھ لیا، گوپالا سوامی آئینگر نے دہلی ایر پورٹ پر پہنچنے تک کتنی بار شیخ صاحب کی طرف دیکھا تاکہ وہ اس

سلسلے میں کوئی جواب دیدیں لیکن شیخ صاحب کی خاموشی نے آئینگر کو بھی خاموش کر دیا۔

چنانچہ جب یہ وفد پنڈت نہرو سے اُن کی کوٹھی پر ملا تو مہاتما گاندھی کے قتل پر اظہارِ افسوس کرنے کے بجائے شیخ عبداللہ نے گوپالا سوامی آئینگر کی پرچی جیب سے نکال کر پنڈت نہرو کو پیش کی اور اُن کی چغلی کھا کر پنڈت نہرو سے کہا۔ "یہ آپ کے سربراہانِ وفد کا کارنامہ ہے۔ دوسروں سے ہم شکوہ کیا کریں۔ جب اپنے ہی ہمیں گمراہ کر رہے ہیں"۔

پنڈت جواہر لال نہرو نے پرچی پڑھکر جب خشمناک نگاہوں سے آئینگر کی طرف دیکھا تو وہ مارے شرم کے لال ہو گئے۔ کچھ کہنے کے لئے اُن کی زبان گنگ ہو گئی۔ پنڈت نہرو کے سامنے شیخ صاحب نے اُن کی پوزیشن مضحکہ خیز بنا دی تھی۔

شیخ عبداللہ نے اپنی کتاب "آتشِ چنار" میں اس بات پر پنڈت نہرو کے سامنے گوپالا سوامی آئینگر کی شکایت کرنے کا اعتراف کیا ہے۔

وقت آنے پر آئینگر صاحب کے بیٹے جی پارتھا سارتھی نے کشمیر ایکارڈ کے دوران شیخ عبداللہ سے اپنے باپ کی پوزیشن خراب کرنے کا بدلہ ایکبار نہیں بلکہ کئی بار لیا اور ان کی پوزیشن اندرا گاندھی کے سامنے ایسی مضحکہ خیز بنا دی جس کو سن کر ہماری گردن شرم سے جھک جاتی ہے۔ جانکار حلقوں کا کہنا ہے اگر جی پارتھا سارتھی کے بجائے اور کوئی کشمیر ایکارڈ پر درمیانہ دار ہوتا تو، شیخ عبداللہ کو ضرور کچھ نہ کچھ رعایت مل گئی ہوتی۔

شیخ محمد عبداللہ نے پنڈت جواہر لال نہرو کو سوویت روس کی حمایت کے لئے آمادہ کیا۔ تاکہ مسئلہ کشمیر کے بارے میں وہ بھارت کی حمایت کر سکیں۔

بقول شیخ عبداللہ :-

"سر ظفر اللہ خاں ایک ہوشیار بیرسٹر تھے۔ انھوں نے بڑی ذہانت اور چالاکی کا مظاہرہ کر کے ہماری محدود سی شکایت کو ایک وسیع مسئلے کا روپ دے دیا اور ہندوستان و پاکستان کی تقسیم کے سارے پُر آشوب پس منظر کو اس کے ساتھ جوڑ دیا۔ ہندوستان پر لازم تھا کہ وہ اپنی شکایات کا دائرہ کشمیر تک ہی محدود رکھتا لیکن وہ سر ظفر اللہ خاں کے پھیلائے ہوئے جال میں پھنس کر رہ گیا۔ ہمارا قافیہ تنگ ہونے لگا۔

ہم تو چلے تھے مستغیث بن کر لیکن ملزم کی حیثیت سے کھڑے کر دیئے گئے۔ مجھے سلامتی کونسل کے صدر نے اپنا عندیہ بیان کرنے کی دعوت دی، میری تقریر کے دوران سر ظفر اللہ خاں

اور برطانوی نمائندے مسٹر فلپ نول بیکر نے مداخلت کی — میری اُن سے خوب نوک جھونک رہی۔ سر ظفر اللہ نے فقرہ کسا کہ میں جواہر لال کے ہاتھوں میں کٹھ پتلی ہوں۔ میں نے جواب دیا۔

مجھے جواہر لال کی دوستی پر فخر ہے اور آپ کو یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ جواہر لال کے ساتھ ہمارا خون کا رشتہ ہے۔

بہر کیف ہمیں بہت جلد معلوم ہو گیا کہ سیکورٹی کونسل نے ہمیں فروعی معاملات میں اُلجھا دیا ہے۔ وہاں کشمیر کے معاملے کے بجائے ہند و پاک کا وسیع تر سوال اُٹھایا گیا۔ اور ایجنڈے میں بھی یہی نام رکھا گیا"۔

۶ فروری ۱۹۴۸ء کو جب کونسل کے صدر نے قرارداد کا مسودہ پیش کیا۔ جو بھارتی موقف کے خلاف تھا۔ اس سے بچنے کا طریقہ یہی سوچا گیا کہ فی الحال کونسل کا اجلاس ملتوی کرایا جائے۔ فروری کے وسط میں بھارتی وفد نے کونسل کے اجلاس کو ملتوی کرنے کی درخواست دے دی۔

"کشمیر سپیکس" (KASHMIR SPEAKS) کے مطابق ۶ فروری ۱۹۴۸ء کو سلامتی کونسل کے صدر ایک قرارداد کا مسودہ پیش کر چکے تھے اور یہ قرارداد کشمیر کے مستقبل اور استصواب عام کے طریق کار کے بارے میں واضح ہدایت کی حامل تھی۔

النوائی کی اس درخواست کا ایک پہلو جو سامنے آیا وہ النوائی کے فوراً بعد لارڈ مونٹ بیٹن کی وساطت سے بھارت کے لئے برطانوی حکومت کی حمایت حاصل کرنے کی کوشش تھی۔ حالانکہ برطانیہ کے وزیر خارجہ مسٹر بیون نے اس مسودہ کو پاکستان کے حق میں بتا کر پاکستانی وزیر خارجہ کو یہ بھی بتایا کہ وزیر اعظم برطانیہ لارڈ اٹیلی پر لارڈ مونٹ بیٹن اور کابینہ کے ایک رکن سر اسٹفورڈ کرپس پوری طرح دباؤ ڈال رہے ہیں کہ کونسل میں برطانیہ بھارت کے موقف کی تائید کرے۔ یہی وجہ ہے۔ کہ ۶ فروری کو جو قرارداد کا مسودہ پیش ہوا۔ وہ بعد میں منظور نہ ہو سکا اور اس کی جگہ ۲۱ اپریل کو ایک بالکل ہی مختلف قرارداد منظور ہوئی، ۲۱ اپریل کی اس قرارداد میں لارڈ مونٹ بیٹن کے ذریعے برطانیہ کا ہاتھ تھا۔

مارچ کے دوسرے ہفتے میں بھارتی وفد کی واپسی پر سلامتی کونسل کا اجلاس دوبارہ شروع ہوا۔ کونسل کے صدر نے دونوں وفود کے ساتھ ملاقاتوں کا سلسلہ جاری رکھا۔ بھارت اس موقف پر مصر تھا کہ استصواب شیخ عبداللہ کی حکومت کی نگرانی ہی میں ہونا چاہئے۔ کیونکہ شیخ عبداللہ نے

THE UNIVERSITY OF MICHIGAN

مرکزی سرکار کو اس بات کی گارنٹی دی تھی کہ اگر استصواب ناگزیر ہوا تو میرے ہوتے ہوئے بھارت کے بغیر اور کوئی انتخاب نہیں جیت سکے گا۔ شیخ عبداللہ کی نیت کو مدنظر رکھ کر پاکستان ان کی نگرانی میں رائے شماری کرانے کے خلاف تھا۔

۱۰ مارچ ۱۹۴۸ء کو مسٹر آئینگر نے کونسل میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا:

"سلامتی کونسل کوئی بھی ایسی تجویز جس میں یہ مطالبہ کیا گیا ہو کہ اس خود مختار ریاست کی اندرونی سرکار کو ایسے لوگوں کے ہاتھوں میں دے دیا جائے جن کا ریاست سے کوئی تعلق نہیں۔ ہمارے لئے ناقابلِ ہے اور میں بصد ادب گزرش کروں گا کہ ہم سے اس طرح کا مطالبہ نہ کرے۔"

اس کے جواب میں پاکستانی نمائندے سر ظفر اللہ خان نے کہا:

"میں نہایت ادب سے سلامتی کونسل کے سامنے یہ بات رکھنا چاہتا ہوں کہ جو استصواب بھارتی فوج کی موجودگی اور شیخ عبد اللہ ایسے شخص کی نگرانی میں منعقد ہوگا وہ کسی بھی غیر جانبدار شخص کو مطمئن نہیں کر سکے گا۔"

پاکستانی شکایات کے، بھارت کی طرف سے جو جوابات دیئے گئے اس کے مطابق:-



(کمیشن کے ارکان۔ چوہدری غلام عباس خاں کے ہمراہ)

(۱) کشمیر میں جنگ بند کرانے کے لئے اقوام متحدہ کا کمیشن مقرر کئے جانے پر کوئی اعتراض نہیں۔

(۲) بھارت پاکستانی حملہ آوروں کو پہلے واپس جانے کا مطالبہ کیا۔

(۳) دونوں طرف کے مہاجرین کو اپنے اپنے گھروں میں جانے کی، سہولیات فراہم کرنے کا مطالبہ کیا گیا۔

(۴) گوپالا سوامی آئینگر نے ریاست میں شیخ عبداللہ کی وزارت کو نمائندہ وزارت ہونے کی تصدیق کی۔

(۵) اقوام متحدہ کی نگرانی میں استصواب کرائے جانے پر شیخ عبداللہ نے جواب دیا:

"میں موت کو گوارہ کر سکتا ہوں لیکن پاکستان کے ساتھ شامل ہونا گوارہ نہیں کر سکتا

ہم ایسے ملک کو منہ لگانا بھی پسند نہیں کرتے۔"

اسی دوران شیخ عبداللہ نے اپنی غیر مدبرانہ تقریر میں کہا۔

"اگر خدانخواستہ بھی زمین پر اتر آئیں اور کشمیر کی حکومت کا چارج سنبھالیں تو وہ بھی غیر جانبدار نہیں رہ سکیں گے۔"

شیخ عبداللہ کی اس غیر دانشمندانہ دلیل سے گوپالا سوامی آئینگر کی پوزیشن مضحکہ خیز ہو گئی۔ جنھوں نے کچھ دیر قبل شیخ عبداللہ کی حکومت کو نمائندہ حکومت کا سرٹیفکیٹ دیا تھا۔ شیخ عبداللہ نے صاف صاف لفظوں میں پاکستان کے اس موقف کی تائید کی کہ ان کی وزارت میں غیر جانبداری کی توقع نہیں رکھی جا سکتی۔

برطانوی نمائندے نے شیخ عبداللہ سے سوال کیا:-

"جب آپ کے خیال میں خدا تعالیٰ بھی کشمیر میں غیر جانبدار نہیں رہ سکتے تو پھر آپ کیسے رہ سکتے ہیں؟"

اس کا جواب اُن کے پاس کوئی نہ تھا۔

شیخ عبداللہ کے ساتھ جب بھارتی وفد لاجواب ہو گیا اور سلامتی کونسل غیر جانبدار رائے شماری کرانے کے بارے میں صلاح مشورہ کرنے لگا تو بھارتی وفد نے لاچار ہو کر اجلاس ملتوی کرنے کی درخواست دے دی تاکہ دہلی جا کر اس کا کچھ تدارک کیا جا سکے۔ چنانچہ اجلاس ملتوی ہوتے ہی لارڈ مونٹ بیٹن نے اپنا اسرور سوخ استعمال میں لا کر قرارداد کا اُلٹ پلٹ کر دیا۔ اس کے بجائے جو دوسری قرارداد ۲۱ اپریل کو متفقہ طور پر منظور کی گئی حسبِ ذیل ہے۔

"پانچ ممبروں پر مشتمل کمیشن اقوام متحدہ برائے ہند و پاکستان مقرر کیا گیا کمیشن سے کہا گیا کہ وہ ریاست میں امن و امان کی بحالی اور استصواب کے انعقاد میں دونوں مُلکوں کی امداد کرے اور دونوں حکومتوں سے بات چیت کے بعد کونسل کو رپورٹ پیش کرے کہ کونسل کے مشوروں اور فیصلوں پر کہاں تک عمل درآمد کیا جا رہا ہے۔"

(۱) پاکستان سے کہا گیا کہ وہ اپنے شہریوں اور قبائلیوں کو ریاست سے واپس بلا لے۔

(۲) بھارت ابتداء میں کمیشن کے مشورے سے اور پھر رائے شماری کے منتظم کے مشورے سے اپنی فوج کا زیادہ حصہ ریاست سے واپس بلا لے اور صرف اس قدر فوج ریاست میں باقی رکھے جو امن و امان کے لئے ضروری ہو۔

(۳) امن وامان کے قیام کے لئے مقامی افراد کی فوج تیار کی جائے اور اگر وہ اس مقصد کے لئے ناکافی ہو تو کمیشن پاکستان یا بھارت کسی بھی ملک سے فوج کا کچھ حصّہ اس مقصد کے لئے طلب کر سکتا ہے۔

(۴) استصواب کی تیاری اور اس کے دوران ریاست کا نظم ونسق چلانے کے لئے ایک مشترکہ حکومت کا قیام جو ریاست کی بڑی بڑی سیاسی جماعتوں کے نمائندوں پر مشتمل ہو۔

(۵) ریاست میں استصواب کے لئے منتظم کا تقرر رائے شماری کے منتظم کو اقوام متحدہ کا سیکریٹری جنرل نامزد کرے گا اور وہ ضروری اختیارات کا حامل ہوگا۔

(۶) حکومت بھارت اس بات کی ضمانت دے کہ ریاست میں آزادئ رائے کی اجازت ہوگی اور ریاست کے باشندوں کو ریاست میں آمد ورفت کی اجازت ہوگی۔

(۷) ریاست سے وہ تمام بھارتی باشندے واپس بلائے جائیں جو معمولاً وہاں نہ رہتے ہوں۔

(۸) سیاسی قیدی رہا کئے جائیں اور مہاجرین کو واپس ریاست میں جانے کی اجازت دی جائے۔

بھارت کے نمائندے نے یہ قرارداد بھی قبول کرنے سے انکار کیا۔ البتہ انھوں نے کمیشن کے ساتھ تعاون کرنے کا یقین دلایا۔

چنانچہ ۷ مئی ۱۹۴۷ء کو کمیشن کا قیام عمل میں آیا۔

سلامتی کونسل نے بلجیم اور کولمبیا کو نامزد کیا۔ بھارت نے چیکوسلواکیہ اور پاکستان نے ارجنٹائن کو منتخب کیا اور ان چاروں نے مل کر امریکہ کو نامزد کیا۔

کمیشن اقوام متحدہ برائے ہند و پاک ۱۵ جون ۱۹۴۸ء تک جنیوا میں اپنے کام اور لائحہ عمل کے لئے طریق کار طے کرتا رہا۔ جولائی کے اوائل میں کمیشن کے ممبران برصغیر پہنچے۔



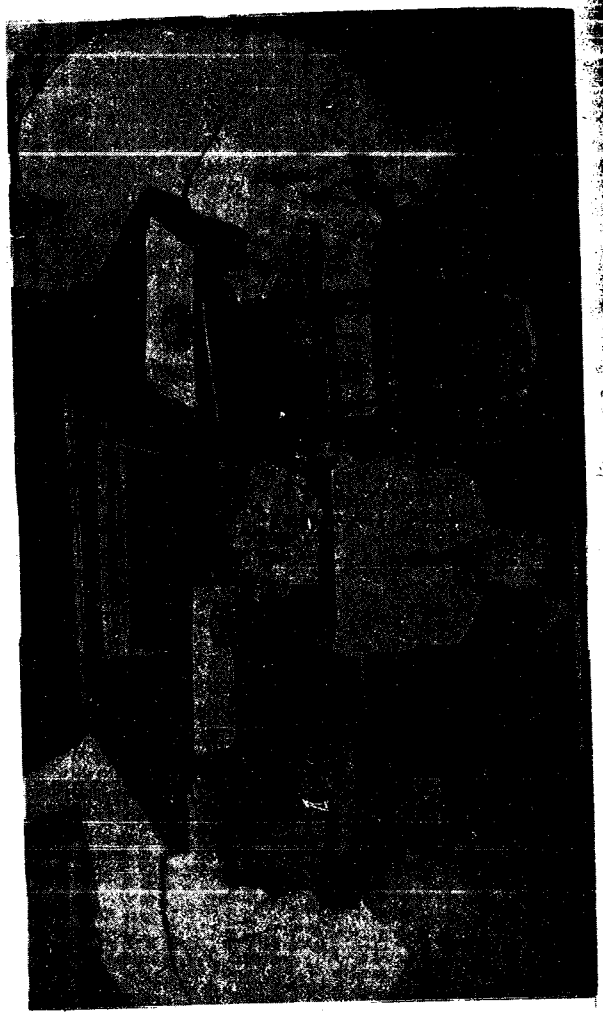


اوپر :- پنڈت جواہر لال نہرو شیخ عبداللہ کو رازداری سے کچھ سمجھا رہے ہیں

نیچے :- سلامتی کونسل سے واپسی پر شیخ عبداللہ گوپالا سوامی آئینگر سے ناراض ہیں کیونکہ انھوں نے شیخ صاحب کو بھارت کے ساتھ الحاق سے باز آنے کا مشورہ دیا تھا۔



سراوون ڈکسن ۔ مسئلہ کشمیر پر فکرمند ہیں



انجمن اقوام متحدہ کے نمائندے سر اوون ڈکسن پنڈت جواہر لال نہرو اور خان لیاقت علی خاں کو مسئلہ کشمیر حل کرنے کے لیے ڈکسن پلان بتا رہے ہیں (۲۳ جولائی ۱۹۵۰ء نئی دہلی)





اوپر : اقوام متحدہ کے نمائندے سر اوون ڈکسن اور شیخ محمد عبداللہ

نیچے : اقوام متحدہ کے امریکی نمائندے ایڈلائی اسٹیونسن اور شیخ عبداللہ

اِس سلیقے سے ہر اک چہرے نے اوڑھی ہے نقاب
کون دشمن ہے یہ سمجھا بھی نہ جائے مجھ سے

وادی میں کمیشن کے ساتھ نامناسب برتاؤ

جولائی کی ۵ تاریخ کو کمیشن کے ارکان ایک خصوصی جہاز کے ذریعے پہلے کراچی آئے۔ جہاں انھوں نے تین روز تک پاکستانی حکمرانوں کے ساتھ صلاح مشورہ کیا، یہاں سے کمیشن دہلی کے لئے روانہ ہوگیا۔ نئی دہلی میں بھی بھارتی رہنماؤں کے ساتھ تبادلۂ خیال کیا۔ دونوں طرف کی دلیلیں، دعوے اور جوابی دعوے سُننے کے بعد آخیر کار کمیشن نے ایک ریزولیوشن مرتب کیا اور اس ریزولیوشن کا جزاوّل بھارت اور پاکستان کی طرف سے کمیشن کو دی گئی۔ ان یقین دہانیوں سے تعلق تھا جن کی رو سے جنگ بند کرنی مطلوب تھی۔

دوسرا جز عارضی صلح کی شرائط اور کمیشن کی طرف سے پیش کردہ سفارشات کا تعین کرتا۔ اس کا تیسرا جز کشمیر کے مسئلہ الحاق سے متعلق تھا۔ جس کی رو سے کمیشن نے بھارت اور پاکستان سے سفارش کی کہ وہ ایک بار پھر اپنی خواہش کا اظہار کریں کہ کشمیر کے مستقبل کا فیصلہ کشمیری عوام کی مرضی کے مطابق کیا جائے گا۔ تاکہ ایک آزادانہ اظہار رائے کو یقینی بنانے کے لئے جائزہ اور منصفانہ حالات پیدا کئے جائیں۔

دہلی میں چند روز قیام کے بعد کمیشن سرینگر آگیا۔ یہاں شیخ عبداللہ نے کمیشن کے اعزاز میں چنار باغ میں دعوتِ استقبالیہ دیا۔

مسئلہ کشمیر کے مختلف امورات پر بات چیت کے دوران شیخ محمد عبداللہ نے ڈاکٹر جوزف کو اُٹھنے کا اشارہ کیا اور وہ انھیں چہل قدمی کے انداز میں کچھ دور لے گئے۔

ایوگرین کی دیوار کی آڑ میں شیخ صاحب نے ڈاکٹر جوزف کا رہل سے کہا:

"میں ایک مُسلمان لیڈر ہونے کے باوجود بھی سیکولرزم، سوشلزم اور غیر فرقہ واریت پر یقین رکھتا ہوں۔ لیکن میرے پیرو کار کشمیری عوام کو کیا کیا جائے جنھیں مذہب

THE UNIVERSITY OF ALBERTA

اِسلام کے ساتھ متصبانہ عقیدت ہے۔ جہاں تک میں سمجھتا ہوں پاکستان ایک قدامت پرست مُلک ہے اور مجھے اس بات کا یقین ہے کہ پاکستان میں کشمیر کی شمولیت سے کشمیر کے مفادات کو زک پہنچے گی۔ مجھے اس بات کا یقین ہے کہ ہندوستان میں کشمیر کی حالت بہتر رہے گی لیکن میں کیا کر سکوں گا اگر عوام کے جذبات نے کشمیر کو میرے صحیح فیصلے کے خلاف ڈال دیا۔ میں نے مسئلہ کشمیر پر کافی غور و خوض کیا ہے اور میں نے کشمیر کے سوال پر تین امکانی حل پیش کئے ہیں۔ پہلا اور دوسرا بھارت اور پاکستان کے ساتھ رائے شماری کے ذریعے الحاق لیکن تین[ص] سال سے کم وقت میں یہ ممکن نہیں بن سکے گا کیونکہ مُلک تباہ ہو چکا ہے اور لوگ بے گھر ہو گئے ہیں۔ پھر بھی یہ ممکن نہ ہو گا کہ ہم ایک ایسی آبادی سے غیر جانبداری کے ماحول میں فتویٰ حاصل کر سکیں جو وسیع اور عریض رقبے پر پھیلی پڑی ہے اور خوف و ہراس کی شکار بھی ہے۔ کیا اس قسم کی رائے شماری جمہوری ہو گی اور کیا بھارت اور پاکستان کشمیری عوام کے فیصلے کو قبول کریں گے۔

کشمیر کا تیسرا حل آزادی اور خود مختاری ہے جو بھارت پاکستان، افغانستان، چین اور سوویت روس کی مشترکہ گارنٹی سے ممکن ہے۔ اس سوال کا ایک اور حل بھی ہے اور وہ ہے تقسیم، اگر یہ بھی حاصل نہ کیا گیا تو بھارت اور پاکستان کی جنگ جاری رہے گی اور وہ اس لڑائی کو طول دیں گے اور ہمارے مصائب بھی بڑھتے رہیں گے۔"

ڈاکٹر جوزف کاربل نے شیخ صاحب کی زبانی ایسا سُنکر فرمایا:۔

" کمیشن اچھی طرح سے جانتا ہے کہ پاکستان کسی ایسی تقسیم کو مسترد کر دیگا جس کے

ص۱ سلامتی کونسل کا وفد یہاں تین مہینے کے اندر اندر رائے شماری کرانے کے آیا ہوا تھا۔ کیونکہ انجمن اقوامِ متحدہ نے انھیں اس کے لئے صرف ۹۰ دنوں کی مہلت دی تھی لیکن شیخ عبداللہ نے تین مہینوں کے اندر رائے شماری کو خارج از امکان قرار دے کر اس کے لیے کم از کم تین سال کی مہلت مانگی۔

دراصل ان کا مقصد وقت ٹالنا اور کمیشن کی عمل آوری میں رکاوٹ ڈالنا تھا۔ جس میں وہ کامیاب ہوئے۔

ذریعے وادی کشمیر بھارت کو دی جائے کیونکہ اسے پورا یقین ہے کہ کشمیری عوام پاکستان کے ساتھ الحاق کو ترجیح دیں گے۔"

ڈاکٹر کاربل نے شیخ صاحب کو یقین دلایا:۔

" ہم وادی کشمیر کے مختلف علاقوں کا دورہ کرنے کے بعد کسی نہ کسی نتیجہ پر پہنچیں گے اور اس دورے کے دوران ہمیں آپ کا تعاون حاصل رہے گا۔ کیونکہ ہمیں ہر حالت میں یہاں نوّے دنوں کے اندر اندر رائے شماری کرانی ہے اور اس سلسلے میں ہم نے بھارت اور پاکستان کے حکمرانوں کے ساتھ بات چیت کر لی ہے۔ وہ رائے شماری میں کسی قسم کی رُکاوٹ نہیں بن رہے ہیں۔

" ہم نے فیصلہ لیا ہے کہ رائے شماری کے دوران یہاں سرحدوں پر پاکستانی فوج پانچ ہزار سے آٹھ ہزار تک اور ہندوستانی فوج پندرہ ہزار سے اٹھارہ ہزار تک رہے گی۔ باقی فوج بارکوں میں چلی جائے گی جس کے ساتھ دونوں ممالک نے اتفاق کیا۔"

شیخ صاحب نے ڈاکٹر کاربل سے پوچھا۔

" کیا آپ لوگوں نے دورے کا پروگرام بنایا ہے؟"

اُنھوں نے جواب دیا۔

" ہاں! کل ہم اسلام آباد کا دورہ کر رہے ہیں۔"

شیخ صاحب کسی سوچ میں پڑ گئے اور پوچھا۔

" دورے کا پروگرام کن کے ساتھ مل کر آپ نے ترتیب دیا ہے۔ اس کے بارے میں آپ کو مجھ سے پوچھنا تھا کیونکہ آپ لوگوں کو سہولیات پہنچانے کی میری ذمہ داری ہے۔ سب سے بڑی بات تو یہ ہے کہ مجھے یہ دیکھنا ہے کہ کسی جگہ لاء اینڈ آرڈر کا مسئلہ پیدا نہ ہو جائے۔ ڈاکٹر کاربل نے شیخ صاحب کی اس رائے کے ساتھ اتفاق کیا اور دونوں واپس آکر دوسرے ساتھیوں کے پاس بیٹھ گئے۔ اور دورے کا پروگرام بنانے لگے۔

اس نئے پروگرام کے مطابق اگلے روز وفد کو اسلام آباد کے بجائے بارہمولہ روانہ کیا گیا۔

پٹن کے قریب راستے میں لوگوں کا ایک مجمع تھا جب کمیشن کے اراکین نزدیک پہنچ گئے تو انھوں نے زور زور سے نعرے لگانے شروع کر دیئے۔

" بھارت کشمیر الحاق زندہ باد"۔ شیر کشمیر زندہ باد۔ ہند کشمیر الحاق پائندہ باد۔"

ڈاکٹر جوزف کاربل نے اپنی کتاب " دی ڈینجر اِن کشمیر" میں لکھا ہے:۔

THE UNIVERSITY OF MICHIGAN

"اس مجمع میں ایک جوان نے پولیس کا گھیرا توڑ کر کمیشن کی طرف ایک کاغذ کو ہتھیلی پر مروڑ کر پھینکا اور انگریزی میں چلّا کر کہا ۔ میں آپ کو بتانا چاہتا ہوں یہ سب زرخرید ایجنٹ ہیں۔ یہ ہم لوگوں پر ظلم ڈھا رہے ہیں.... ہم پاکستان چاہتے ہیں ۔ پاکستان زندہ باد!"

یہ نوجوان ابھی کہہ ہی رہا تھا کہ پولیس نے پکڑ کر اسے دبوچ لیا اور ہجوم میں اُسے غائب کر دیا۔ ہمارے کانوں میں دور دور تک اس کے چیخنے چلانے کی آوازیں آ رہی تھیں۔ کمیشن کے لئے یہ ایک خلل انداز منظر تھا کیونکہ ہمیں بتایا گیا تھا کہ کشمیر میں لوگوں کو سیاسی آزادی حاصل ہے مگر ہم نے دیکھا۔ یہاں اپنی رائے کے اظہار پر بذریعہ پولیس اور والنٹیران کی زبان بند کر دی جاتی ہے۔

ہم نے ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ جو ہمارے ہمراہ تھا۔ ان سے کہا کہ اُس جوان کو حاضر کیا جائے اور اُسے ہمارے روبرو پیش کیا جائے۔ ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ نے جواب دیا کہ آپ بارہمولہ چلئے۔ وہاں ہی اُسے پہنچا دیا جائے گا لیکن ہم نے تب تک ایک قدم بھی آگے بڑھنے سے انکار کیا۔ جب تک کہ اُس جوان کو پیش نہ کیا جائے۔ ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ مجبور ہو گئے۔ تو انھوں نے پولیس آفیسر کو وہ جوان لانے بھیجدیا۔ کچھ دیر کے بعد جب سپاہیوں نے جوان کو پیش کیا تو یہ وہ جوان نہیں تھا۔ ہم نے اس جوان سے پوچھا کیا تم وہی پہلے والے جوان ہو ۔ ؟

اس نے جواب دیا:۔

"نہیں میں وہ نہیں ہوں۔ اُس کے بدلے میں مجھے پکڑ کر لایا گیا ہے۔ اپنی رائے کے اظہار کے قصور میں اس وقت اُس جوان کو والنٹیر مُردہ حالنور کی طرح گھسیٹ کر کہیں لیجا رہے ہیں اور جب آپ یہاں سے روانہ ہوں گے تو میرے ساتھ بھی نہ جانے کیسا سلوک کیا جائے گا۔ ممکن ہے ہم دونوں کو جان سے ہی مار دیا جائے۔ میں مرنے سے نہیں ڈرتا لیکن یہ کہے بھی نہیں رہ سکتا کہ ہم لوگ پاکستان میں شامل ہونا چاہتے ہیں۔"

یہاں پر کوئی ۳۵ منٹ گزارنے کے بعد کمیشن بارہمولہ کی طرف روانہ ہو گیا۔ تو دوسرے جوان کو بھی گرفتار کر لیا گیا۔

بارہمولہ سے واپسی پر کمیشن کے اراکین کشمیر کے وزیر اعظم سے یہ پوچھنا چاہتے تھے کہ آپ کی
ست میں یہیں کہیں بھی سیاسی آزادی کا نام و نشان تک نہ ملا تو کمیشن کو بتایا گیا کہ شیخ عبداللہ اس
ت جامع مسجد گئے ہوئے ہیں

کمیشن اسی وقت جامع مسجد کی طرف روانہ ہو گیا۔ یہاں عوام کا رہنما قوم سے خطاب فرما رہا تھا۔



(شیخ عبداللہ)

"..... میں آپ کے سامنے واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ ہم اپنی مرضی کے آپ مالک ہیں۔ ہمارے ملک کا کوئی لیڈر یا بین الاقوامی شہرت کا کوئی فرد ہمیں ہمارے فیصلے سے ہٹا نہیں سکتا۔ پاکستان چاہتا تھا کہ کشمیر کا الحاق اُس کے ساتھ ہو جائے مگر یہ ہماری طے شدہ پالیسی کے مطابق نہ تھا۔ مہاراجہ کی خواہش ریاست کو آزاد اور خود مختار رکھنے کی تھی۔ لیکن اس کے ساتھ ہم نے اتفاق نہ کیا۔ میں پہلے بھی کہہ چکا ہوں۔ پاکستان ہمارے سامنے ایک حملہ آور کی حیثیت رکھتا ہے اور ہندوستان ہمارا مددگار رہے ہیں ایک مسلمان ہوں لیکن پاکستان کے مقابلے میں ہندوستان کو میں اپنا گھر سمجھتا ہوں۔ ہم اسی مٹی سے پیدا ہوئے ہیں اور اسی مٹی میں مل جائیں گے۔ ہمارے کروڑوں آبا و اجداد کا وجود ہندوستان کی مٹی جُز بن چکا ہے اور آج اس سرزمین کے ذرّے ذرّے میں ہمارے خون کی آمیزش ہے۔ کشمیر سے لے کر راس کماری تک اور درۂ خیبر سے لیکر آسام تک اس سرزمین کا کونسا حصّہ ہے جس میں مسلمانوں کی یادگاریں نہیں ہیں۔ ہندوستان ہمارا ہے اور ہم ہندوستان کے ہیں۔ ہم ہندوستان کے کسی بھی حصّے سے دست بردار نہیں ہو سکتے۔ ہندوستان ہمارا وطن ہے اور یہی ہمارا وطن رہے گا۔ ہمارا فرض ہے کہ ہم اپنے وطن کی جی جان سے حفاظت کریں۔ آپ کو جاننا چاہئے کہ بعض لوگ ہمیں مختلف باتیں بنا کر گمراہ کر رہے ہیں لیکن میں نے تہیہ

کر لیا ہے کہ ہم یہاں کسی کی بھی دال گلنے نہیں دیں گے۔ ہم نے جو فیصلہ کر لیا ہے۔ وہ سوچ سمجھ کر کیا ہے۔ دُنیا کی کوئی طاقت ہم پر اپنا فیصلہ ٹھونس نہیں سکتی ....."

اقوامِ متحدہ کے کمیشن نے جب بارہمولہ کے چشم دید حالات کے بعد وزیراعظم شیخ عبداللہ کی تقریر کا انگریزی ترجمہ موقعہ پر دوران تقریر حاصل کر لیا تو ان کو یہاں ۹۰ دنوں کے اندر اندر رائے شماری کرانے کا جواب مل گیا۔

شیخ عبداللہ نے کمیشن کے مقاصد پر ایسا پانی پھیر دیا کہ اس میں "رائے شماری" بہہ کر ایسی ڈوب گئی کہ پھر اُبھر نہ سکی۔

اگلے روز کمیشن کے اراکین شیخ صاحب سے ملنے گئے تو ان سے کہا گیا۔

"آپ کے سپاہی اور والنٹیر ہمارے کام میں رکاوٹ ڈال رہے ہیں۔ یہاں ایسے لوگوں کے ساتھ بہت بُرا سلوک کیا جاتا ہے جو ہمارے پاس اپنی شکایات لے کر آتے ہیں۔ ہم سمجھتے ہیں یہاں لوگوں کو اظہارِ رائے کی کوئی آزادی نہیں ہے۔"

ایسا سُن کر شیخ صاحب غصّہ ہو گئے لیکن غصّہ پی کر بولے۔

"دیکھئے میں پہلے بھی کہہ چکا ہوں اور اب بھی کہہ رہا ہوں کہ اگر آپ یہاں رائے شماری کا موقعہ فراہم کریں گے تو یہ لوگ پاکستان کے حق میں فیصلہ دیں گے جبکہ میں ہندوستان کو پاکستان پر ترجیح دیتا ہوں۔ اس کی کئی وجوہات ہیں جو میں آپ کے سامنے بیان کر چکا ہوں۔"

"لیکن ہم یہاں صرف آپ کی رائے جاننے کے لئے نہیں آئے ہیں۔ ہم لوگوں کی رائے کا سروے کر رہے ہیں مگر ہمارے سامنے جن لوگوں کو پیش کیا جا رہا ہے وہ بنا وردی کے سپاہی یا والنٹیر ہوتے ہیں اور یہ ہمارے کام میں رکاوٹ ڈال رہے ہیں۔"

شیخ صاحب نے بڑی سختی کے ساتھ ان کا یہ اعتراض مسترد کیا۔

اب وہی سب ہیں علمبردار میرے نام کے
ذائقہ میرے لہو کا جن کی تلواروں میں تھا

مسئلہ کشمیر کے حل کیلئے کمیشن کی آمد

اور اُس کی ناکامی کے اسباب

انجمن اقوامِ متحدہ کے کمیشن کے کشمیر میں قیام کے دوران لٹھ بند والنٹیروں کی ایک جماعت اُن کے سائے کی طرح پیچھا کرنے پر تعینات کی گئی تھی تاکہ کوئی کمیشن کے اراکین کے سامنے جانے اور انھیں اپنا دُکھڑا سُنانے کی جرأت نہ کر سکے۔ کمیشن کے اراکین بھی کہیں جاتے اس سے پہلے لٹھ بند والنٹیر مخالفین کو صفایا کر دیتے تھے۔ سرینگر میں اپنے قیام کے دوران کمیشن کے اراکین چلتے چلتے اچانک امر سنگھ کالج میں داخل ہو گئے۔ کالج میں ان دنوں امتحانات ہو رہے تھے اور لڑکے امتحان دینے میں مصروف تھے اسی طرح جب اُنھیں پتہ چلا کہ کمیشن کے اراکین یہاں کالج میں آئے ہیں تو وہ دھڑا دھڑ باہر آئے اور اس وفد کو گھیرے میں لے کر پاکستان کے حق میں نعرے لگانے لگے۔ اِن نعروں کی گونج میں جب وفد طلبار سے بات چیت کرنے لگا تو کئی درجن لٹھ بند والنٹیر پولیس کی جمعیت میں آ کر مجمع پر ٹوٹ پڑے، دیکھتے ہی دیکھتے کالج کے احاطہ میں ایک اودھم سی مچ گئی۔ طلبار اور اسٹاف کے ممبران اور دوسرے پروفیسر والنٹیروں اور سپاہیوں کی لاٹھیوں سے لہولہان ہو گئے۔ کسی کے دانت ٹوٹ گئے تو کسی کا سر پھٹ گیا۔ کسی کا کان کاٹا گیا اور کسی کی آنکھ پھوڑ دی گئی۔ ایک ہاہا کار مچ گئی۔ اس موقع پر طلبار اور کالج کے اسٹاف کے علاوہ یہاں سرینگر کی دو ممتاز خواتین بیگم آغا شوکت علی اور بیگم عبدالغنی رینٹھو موجود تھیں۔ یہ دونوں خواتین اس بھگدڑ میں اپنی جان بچانے کے لئے بیتاب تھیں لیکن باہر جانے کا راستہ انھیں نہیں ملا، گیٹ پر سپاہیوں نے قبضہ کر لیا تھا۔ وحشی والنٹیروں کی نظران پر پڑی تو وہ ان خواتین پر ٹوٹ پڑے۔

انتقام کے حیوانی جذبے نے درندہ صفت تنخواہ داروں کو ادنیٰ قسم کی انسانی سوجھ بوجھ سے بھی عاری کر دیا تھا۔ یہ معصوم بیبیاں جو سرِ راہ کانٹے سے اُلجھ کر بھی کانپ اُٹھتی تھیں۔ آج یکایک وحشیانہ مار دھاڑ کے ہولناک دنگل میں اُلجھ گئی تھیں۔ سیاہ لٹیں پریشان زلفوں کی طرح

THE UNIVERSITY OF ALBERTA

چہروں پر بکھر گئی تھیں۔ اُن کے کپڑے چاک کئے گئے ..... دیکھتے ہی دیکھتے پولیس کی گاڑیاں موقع پر پہنچ گئیں اور ان دو بیگمات کے ساتھ کئی زخمی پروفیسروں اور طلبار کو گاڑیوں میں بھر کر قریب ترین پولیس اسٹیشن نک لے جایا گیا۔ یہاں طلبار کو گاڑیوں سے اُتار کر بیگم آغا شوکت علی اور بیگم عبدالغنی اینٹھو کے ساتھ پروفیسر محی الدین حاجنی، پروفیسر محمد مقبول فاضلی اور پروفیسر نورالدین کو سرینگر سنٹرل جیل پہنچا دیا گیا۔ یہاں ان کو بارکوں کے بجائے تنگ و تاریک کوٹھڑیوں میں منتقل کیا گیا۔ جو عرفِ عام میں 'CELLS' کہلاتی ہیں۔ ہر جیل خانے میں یہ کوٹھڑیاں خطرناک قسم کے پیشہ ور یا بالخصوص قتل کے جرم میں ماخوذ مجرموں کو قیدِ تنہائی میں رکھنے کے لئے مخصوص ہوتی ہیں۔ یہاں قیدی ننگے فرش پر اٹھنے بیٹھنے اور سونے کا پابند ہے۔ سونے سے قبل محافظ قیدی کا ازار بند تک اپنی تحویل میں لیتے ہیں۔

بے گناہ پروفیسروں اور بے قصور بیگمات جنھوں نے اقوام متحدہ کے ارکان کے سامنے زبان بھی نہیں کھولی تھی۔ اُنھیں قیدِ تنہائی میں زبانوں سے اپنے جسم پر لگے زخموں کا لہو چاٹنے کے لئے مجبور کیا گیا۔

نصف شب کے قریب ان تینوں پروفیسروں اور دو خواتین کو پھر ایکبار جیل کے بیرونی احاطے میں پہنچا کر پولیس گارڈ کی نگرانی میں ایک بند گاڑی میں سوار کیا گیا۔ گاڑی اسی وقت ایک نامعلوم منزل کی طرف روانہ ہو گئی۔

امر سنگھ کالج کے مسلم طلبار کو مختلف تھانوں میں بند کر کے ان کے ساتھ جو شرمناک حرکت کی گئی۔ اُس کے اظہار سے بھی آدمی کانپ اُٹھتا ہے۔

عوامی راج کے صفِ اوّل کے حاکم اور قوم کے رہنما نے اظہار رائے کی طلبار، پروفیسروں اور ناکردہ خطا دو خواتین کو جو سزا دی۔ اس کی مثال صرف نازی جرمنی میں ملتی ہے۔

بے گناہ اور بے قصور قیدیوں کو جموں روانہ کیا گیا۔ راستے میں انھیں کہیں بھی پیاس بجھانے کی اجازت نہیں دی گئی۔ جموں پہنچا کر ان قیدیوں کو سنٹرل جیل میں جھونک دیا گیا۔ اسی دوران جیل میں کمیشن کے متوقع آمد کی اطلاع پا کر جیل حکام نے پروفیسروں اور خواتین کو دیگر نظر بندوں سمیت جیل کی چار دیواری سے نکال کر کسی گمنام مقام پر منتقل کرنے کا فیصلہ کیا تاکہ کمیشن کے ارکان کو ان قیدیوں کے بارے میں کچھ پتہ نہ چل سکے اور وہ ان قیدیوں کے ساتھ بات چیت نہ کر سکیں۔ چنانچہ تین پروفیسروں اور دو خواتین اور دیگر قیدیوں کو جنھیں پہلے ہی جموں پہنچا کر یہاں

...یں کیا گیا تھا۔ ان میں شیخ عبداللہ کے دستِ راست مسلم کانفرنس کے ایک ممتاز لیڈر غلام نبی گلکار ... شامل تھے۔ غلام نبی گلکار سیاست میں شیخ عبداللہ کے اُستاد تھے۔ انھوں نے شیخ صاحب کا ہاتھ ... کر انھیں سیاست کے میدان اُتارا تھا۔

تاریخ گواہ ہے تحریکِ حریت کی ابتدا میں جب شیخ عبداللہ کی مالی حالت کمزور تھی اور بقول ... کے جب وہ زُوچہ دُور (روٹی) چائے پایانی میں بھگو کر گزارہ کیا کرتے تھے اور سرینگر میں گیرج ... اُوپر ایک کمرے میں رہا کرتے تھے۔ غلام نبی گلکار اپنے گھر سے روزانہ ان کے ... چاول روٹی اور دوسری چیزیں لایا کرتے تھے۔ آج ان کے دوست حاکم اعلیٰ بن کر سرینگر سنٹرل جیل ... جموں سنٹرل جیل منتقل کرنے کے بعد اب قلعہ باہو میں دھکیل رہے تھے اور ان کے ساتھ حق ... ادائیگی کر رہے تھے۔

"کشمیر چھوڑ دو" تحریک میں مہاراجہ ہری سنگھ کی حکومت نے شیخ محمد عبداللہ کو تین ... سال قید کی سزا پر اسی قلعہ باہو میں رکھا تھا۔ اس قلعہ میں شیخ عبداللہ نے مقام حبس کے ... بے ڈھنگے ... انتخاب پر ڈوگرہ ... حکومت کے ... خلاف احتجاج ... کرتے ہوئے ... بھوک ہڑتال ... کی تھی۔ آج اسی



(مہاراجہ ہری سنگھ)



(شیخ محمد عبداللہ)

...نسان قلعے میں نہ صرف ، ڈیڑھ درجن کے قریب ... برآوردہ لوگ بلکہ دو خواتین بھی سانپوں اور بچھوؤں سے دست و گریبان تھیں۔

یہ کیسی ستم ظریفی ہے کہ کل جس رہنما کو عوام کی آزادی، حقِ خودارادیت اور رائے شماری کے ... اسی جیل میں رکھا گیا۔ آج وہ حاکم بن کر اُسی آزادی، حق خودارادیت اور رائے شماری کا نام ... والوں کو اسی جیل میں بھیج رہا ہے۔ کشمیر کی تاریخ کا یہ ایک ایسا المیہ ہے جس کے بیان سے ... کانپ اُٹھتا ہے۔ تاریخ کا یہ ایک ایسا فیصلہ ہے جس کی شاید ہی کہیں کوئی مثال مل سکے گی۔

THE CHINAR UNIVERSITY

آج ڈوگرہ راج کے عوام کُش استبداد کا خاتمہ ہو چکا تھا۔ صدیوں کے ظالم نیست و نابود ہو گئے تھے۔ اب ریاست میں عوامی راج تھا۔ لیکن ریاست کے تمام چھوٹے بڑے جیل خانے ناکردہ گناہ قیدیوں سے پُر تھے۔ قیدیوں کی بیشتر تعداد مجاہدین آزادی، تاجروں، وکیلوں، استادوں، اخبار نویسوں، دانشوروں، طالب علموں اور چھوٹے بڑے سرکاری آفیسروں پر مشتمل تھی۔ ان میں سے بیشتر کا قصور یہ تھا کہ یہ کمیشن کے سامنے اپنے دل کی بات بتانا چاہتے تھے۔ غیروں نے انھیں یہ جو حق دیا تھا اسے ان کا اپنا محبوب لیڈر چھین رہا تھا۔

عوام کی آزادی کے حصول کے لئے شیخ محمد عبداللہ میدانِ کارزار میں اُترے تو عوام کی قربانیوں کے طفیل وہ آزادی حاصل ہو گئی۔ لیکن اب اس آزادی کا وہی گلا گھونٹ رہے تھے اور آزادی کا نام لینے والوں کی زبانیں کاٹ رہے تھے۔

حقیقت تو یہ ہے کہ تین پروفیسروں اور دو خواتین نے تحریر و تقریر کی آزادی کا استعمال بھی نہیں کیا تھا۔ انھوں نے کسی کے سامنے اپنی چاہت کا اظہار بھی نہیں کیا تھا۔ وہ تو طلباء کے نعرے سُن کر باہر آئے تھے۔ کچھ بھی ہو عوامی راج نے انھیں لب ہلانے کے قصور میں قلعہ باہو کے سانپوں اور بچھوؤں کے حوالے کیا۔ تاکہ یہ عبرتناک سزا پا سکیں۔

ان قیدیوں میں وہ بدنصیب بھی تھے جن کو ذلیل قسم کے جسمانی آپریشنوں کے بعد ہسپتال میں داخل کرنے کے بجائے جیل خانوں میں نظر بند کیا گیا تھا۔ جہاں ان کے زخموں سے پیپ بہہ رہی تھی اور ان کے جسموں سے بدبو اُٹھ رہی تھی۔ ان ہی قیدیوں میں وہ مظلوم بیبیاں بھی تھیں جن کو چنگیز اور ہلاکو بھی غیر مردوں کے ساتھ قلعہ باہو جیسے ویران جیل میں رکھنے کا تصور نہیں کر سکتے۔

قلعہ باہو کے رونگٹے کھڑے کر دینے والے لمحات سے دل برداشتہ ہو کر شیخ محمد عبداللہ نے دوسرے کسی جیل خانہ میں منتقل ہونے کے لئے بھوک ہڑتال کی، رام چند کاک جو ان کی نظر میں ظالم اور جابر حاکم تھا۔ اس نے شیخ عبداللہ کو فوراً قلعہ باہو سے نکلوا کر بھدرواہ سب جیل بھجوا دیا، آج شیخ عبداللہ قیدی نہیں بلکہ حاکمِ اعلیٰ تھے۔ مرد قیدیوں کے ساتھ خواتین قیدی یہاں سے دوسری جگہ منتقل ہونے کے لئے بھوک ہڑتال کر رہی ہیں لیکن کوئی ان کی نہیں سُنتا۔

شیخ عبداللہ کے حاکمِ اعلیٰ بننے سے ڈیڑھ برس قبل بیگم شیخ عبداللہ پہلی بار گھر کی چار دیواری سے نکل کر پبلک پلیٹ فارم پر ڈوگرہ شاہی کے خلاف زہر اُگل رہی تھیں مگر ڈوگرہ

[illegible] ہاتھ پر ہاتھ دھرے دور سے بیگم عبداللہ کا مُنہ تک رہی تھی۔ اس وقت قلعہ باہو خالی تھا۔ [illegible] کے چھوٹے بڑے جیل خانوں میں کافی گنجائش تھی۔ قانون کے ضابطوں میں تقریروں [illegible] جلوس پر پابندی لگانے کے واضح دفعات موجود تھے لیکن غیر ذمہ دار ڈوگرہ شاہی عورت [illegible] پر ہاتھ اُٹھانے سے جھجک رہی تھی۔ سخت گیر حکمران خواتین سے دوبدو اُلجھ کر اپنے ماتھے [illegible] کلنک کا ٹیکہ لگانا نہیں چاہتا تھا۔

ڈوگرہ شاہی کا سورج غروب ہو چکا تھا۔ غیر ذمہ دار شخصی حکومت کی عمارت یک بیک [illegible] ام سے زمین بوس ہو گئی تھی۔ "نیا کشمیر" کا آئین اب ہر شخص کی آزادیٔ رائے اور آزادیٔ [illegible] کا ضامن تھا۔ اپنے خون سے عوامی راج کی آبیاری کر کے اپنے من پسند لیڈر کو تخت و [illegible] پیش کر کے اب مردوں کے ساتھ ساتھ خواتین بھی رونگٹے کھڑے کر دینے والی سزا پا رہی [illegible]۔ اس قصور کی پاداش میں کہ وہ اقوامِ متحدہ کے کمیشن کے سامنے آ گئی تھیں۔

عوامی راج مطلق العنان ڈوگرہ شاہی کی پوشیدہ عظمتوں کو اُجاگر کر رہا تھا۔ غیر ذمہ دار [illegible] حکومت تہذیب کے نام پر انسانیت کے نام پر ننگ و ناموس کے نام پر جن شرمناک کارناموں [illegible] دامن بچا چکی تھی۔ آج عوامی سرکاران کو بڑی ڈھٹائی سے سرانجام دے رہی تھی۔

لوگ مڑ مڑ کر پیچھے کی طرف دیکھ رہے تھے اور عوامی راج کے زہریلے تلخ گھونٹ حلق سے [illegible] رہے تھے تاکہ یہ زہریلے تلخ گھونٹ اپنے حلق سے اُتارنے پر انکار کی پاداش میں عزت و [illegible] آزادی کے محافظ گلا ہی گھونٹ نہ دیں۔

عوامی سرکار نے دیگر مردوں کے ساتھ دو ناکردہ خطا خواتین کو صرف کمیشن کے اراکین [illegible] سامنے آنے کے الزام میں گھر سے بے گھر کر کے کوسوں دور باہو قلعے میں نظر بند کر دیا تھا۔ [illegible] یہاں پورے ۲۳ دنوں تک انھوں نے اپنی بے گناہی پر خون کے آنسو بہائے۔ قلعہ باہو کے [illegible] شیدہ در و دیوار آج بھی ان کی لرزتی ہوئی چیخیں، دلدوز آہیں اور زخمی کراہیں محفوظ کئے [illegible] ئے ہیں۔ چنگیز اور ہلاکو کی یاد تازہ کئے ہوئے ہیں۔ قلعہ باہو میں ان مقتدر خواتین و حضرات [illegible] نظر بند رکھنے کا واقعہ اس لحاظ سے بھی یادگار رہے گا کہ اگرچہ انھیں بظاہر جموں سینٹرل جیل [illegible] اقوامِ متحدہ کے کشمیر کمیشن کی متوقع آمد کے پیشِ نظر عارضی طور پر باہو قلعے میں منتقل کیا گیا تھا۔ [illegible] ان اہلِ کمیشن کے جیل کے دورے کے بعد بھی ان کو نامعلوم وجوہات کی بنا پر بہت عرصے [illegible] فورٹ میں ہی ایک اذیت ناک عذاب میں مبتلا رکھا گیا۔

THE UNIVERSITY OF ALBERTA

افسوسناک بات یہ بھی ہے کہ ان کو یہاں پہلے روز سے ہی ان سہولیتوں سے محروم رکھا گیا تھا جو ادنیٰ درجے کے عام اخلاقی قیدیوں کو بھی میسّر ہوتی ہیں۔ انھیں پینے کے لئے قلعے کے اندر تالاب کا گندہ پانی دیا جاتا، کھانے کے لئے جو روکھی سوکھی ملی اُسے زہر مار کرنا ہی تھا مگر سونے کے لئے کوئی چارپائی میسّر نہ تھی۔ مرد قیدی قلعے کی نچلی منزل میں لمبی لمبی اور خودرو گھاس کے درمیان منہدم اور شکستہ چبوترے کے ننگے فرش پر راتیں کاٹنے کے لئے مجبور تھے۔ خواتین کو اُوپر کی ایک بے در و دیوار کوٹھری کی اُکھڑی ہوئی فرش عنایت کی گئی تھی۔ اس اُکھڑی ہوئی بے در و دیوار کوٹھری میں ان بے گناہ خواتین کا دل ڈر اور خوف سے پورے چوبیس گھنٹے دھڑکتا رہتا تھا۔ ذرا سی آہٹ ہوتی یا کوئی صدا آجاتی تو ان کی چیخیں نکل جاتی تھیں۔ دو بیبیاں ایک دوسرے کو سینے کے ساتھ زور سے لگا کر زار و قطار ڈوگرہ راج کو یاد کر کے عوامی راج کو رو رہی تھیں۔ رات ہو یا دن جب بھی کوئی پرندہ یہاں پر پھڑ پھڑاتا تھا تو ان کی گویا روح ہی نکل جاتی تھی۔ دونوں خواتین رات کو ایک دوسرے کے بالوں کی لٹ آپس میں اُلجھا کر سوتی تھیں تاکہ یہاں ان پر جو بھی گزرے دونوں پر ایک ساتھ گزرے۔

وادی میں کمیشن کی موجودگی کے دوران بہت سے لوگ چھپ چھپا کر اور کمیشن کے اراکین تک الگ الگ یا وفود کی صورت میں اُن تک رسائی حاصل کرتے تھے۔ بہت سارے کشمیریوں نے آنسوؤں سے لبریز آنکھوں سے کمیشن کے سامنے اپنی لاچارگی اور بے قراری واضح کر دی، اس کمیشن نے اپنی رپورٹ میں ان باتوں کا انکشاف یوں کیا ہے :-

"کشمیر کی گلی کوچوں، سڑکوں پر جاتے ہوئے بوڑھے جوان اور خواتین نے ہمارے سامنے اپنے دل کا حال بتایا۔ دُکانداروں نے ہمیں اپنا حالِ دل سُنایا۔ کئی انجمنوں کے مراسلات کے ذریعے ہم سے استدعا کی گئی کہ وہ کشمیر میں موجود تباہی کو ختم کر دیں، یہاں جو سیاسی دہشت، لوٹ مار کرپشن اور لوٹ کھسوٹ ہو رہا ہے۔ اس کو مٹانے کے لئے ہمارے لئے آزادئ رائے کا انتخاب ممکن بنائیں۔

سرینگر کے علاوہ دوسرے کئی مقامات پر ہم نے بھارتی آفیسران کے ساتھ ملاقاتیں کیں انھیں جنگ لڑنے کے ساتھ دلچسپی ہی نہ تھی۔ انھوں نے کشمیر کے بارے میں اپنی ناپسندگی ضرور چھپائی۔ البتہ ان میں بعض آفیسر جو جنوبی ہند سے آئے تھے۔ تنازعۂ کشمیر کے بارے میں مکمل بے التفاتی کا مظاہرہ

کیا، اُن کا کہنا تھا۔ انھیں کبھی بھی کشمیر کے ساتھ جذباتی وابستگی نہ تھی اور نہ ہم سمجھ سکتے ہیں کہ کشمیر کو کس وجہ سے بھارت کا حصّہ ہونا چاہیئے"۔

ریاست کے وزیر اعظم شیرِ کشمیر شیخ محمد عبداللہ کی طرف سے کمیشن کے اراکین کو دو ٹوک جواب دینے اور انھیں یہاں رائے شماری کے خیال سے باز رکھنے کے باوجود بھی کمیشن نے ۲۱ ستمبر ۴۸ء کو سلامتی کونسل کو جنیوا سے اپنی رپورٹ بھیجدی۔ اس رپورٹ میں انھوں نے ۱۳ اگست کی قرارداد کو جوڑ کر اپنی طرف سے ایک تجویز کا مسودہ تیار کر لیا۔

مسودہ میں رائے شماری کی مانگ پر مزید یقین دہانیاں مرتب کی گئیں تاکہ کسی[1] جانب سے اگر اس میں رُکاوٹ ڈالی جائے تو اس کا توڑ کیا جا سکے۔

کمیشن نے غیر مبہم الفاظ میں اعلان کیا :-

"بھارت یا پاکستان کے ساتھ کشمیر کے الحاق کا فیصلہ ایک آزاد اور غیر جانبدار رائے شماری کے جمہوری طریقے سے کیا جائے گا"۔

اس تجویز میں رائے شماری کے ناظم کی نامزدگی کی دفعات شامل کی گئیں جو ایک اعلیٰ بین الاقوامی امتیاز کا مالک اور ایک پُر اثر انداز شخصیت[2] ہو۔ آخر مسلسل گفت و شنید کے بعد ہندوستان اور پاکستان کی حکومتوں نے کشمیر میں جنگ بندی کا حکم جاری کر دیا جو یکم جنوری ۱۹۴۹ء کو بارہ بجکر ایک منٹ سے پہلے نافذ العمل ہو گیا۔ اس فیصلہ پر ہندوستان کی طرف سے سر رائے بوچر اور پاکستان کی طرف سے سر ڈوگلاس گریسی کمانڈر انچیف نے دستخط کر دیئے۔

سلامتی کونسل کا یہ فیصلہ شیخ عبداللہ کے لئے ناقابلِ قبول اور ناقابلِ برداشت ثابت ہوا جبکہ ۱۷ جنوری ۱۹۴۹ء کو انھوں نے ایک بیان جاری کیا۔

"کشمیر کا فیصلہ کشمیری عوام کریں گے۔ ہم کسی ثالثی کا فیصلہ قبول نہیں کریں گے"۔

شیخ عبداللہ کے اس بیان سے کمیشن کے بڑھتے قدم رُک گئے البتہ اب کی بار امریکی صدر ٹرومین اور برطانیہ کے وزیر اعظم مسٹر اٹیلی کی براہِ راست مداخلت نے شیخ عبداللہ کو سخت دلگیر

---

[1] : رکاوٹ چونکہ شیخ عبداللہ کی طرف سے ڈالی جا رہی تھی۔ اس لئے اس اقدام کی ضرورت محسوس ہوئی۔

[2] : جو شیخ عبداللہ کی طرف سے کھڑی کی جانے والی رکاوٹیں ہٹانے کا مختار و مجاز ہو۔

اور پریشان کر دیا۔ امریکی صدر اور برطانوی وزیر اعظم نے رائے شماری کی حمایت کی تو شیخ عبداللہ بر غم کے پہاڑ ٹوٹ پڑے۔ انھوں نے فوری طور پر دہلی جا کر مرکزی سرکار سے شکایت کی کہ اس طرح دو بڑی طاقتوں کی مداخلت سے مسئلہ باعث نزاع بن سکتا ہے۔ لہٰذا اس کی فوری طور پر روک تھام کی جائے۔

پنڈت نہرو کی دو ٹوک لارڈ مونٹ بیٹن تک تھی، اور لارڈ مونٹ بیٹن نے کمیشن کے سامنے یہ تجویز رکھدی کہ انجمن اقوام متحدہ کی طرف سے ثالثی کے متعلق دستاویزات کراچی کے ساتھ دہلی کو بھی بھیجے جائیں۔

لیکن لارڈ مونٹ بیٹن کی یہ تجویز نامنظور کی گئی۔ انھوں نے تجویز کی نامنظوری پر کھلم کھلا ناراضگی کا اظہار تو نہیں کیا۔ البتہ انھوں نے کمیشن کے سیکریٹریٹ تک رسائی حاصل کر لی۔ یہاں انھوں نے مسٹر کارڈل کو اپنا ہمنوا اور رازدار بنا لیا۔

مئی ۱۹۴۹ء کو برصغیر میں ایڈمرل چیسٹر ڈبلیو نمٹز کی آمد کی اطلاع اخبارات کے ذریعے مل گئی تو اس کے ساتھ ہی لیک سکس نے اطلاعات فراہم کیں کہ کمیشن ہند و پاک میں ثالثی سے متعلق کارروائی کر رہا ہے۔ مرکزی سرکار کی طرف سے لیک سکس میں بیان دینے کے لئے شیخ عبداللہ کو روانہ کیا گیا۔

شیخ عبداللہ نے سلامتی کونسل میں اپنے بیان میں ریاست کو بھارت کا ایک اٹوٹ حصہ کہہ کر رائے شماری کے نظریئے کو مسترد کیا۔

صدر امریکہ اور وزیر اعظم برطانیہ کی ذاتی مداخلت کے بعد کمیشن کے خفیہ اخلاسوں' کی رپورٹنگ لیک ہونے لگی، کمیشن کے سیکریٹریٹ نے بحری تاروں کے ذریعے حالات کو درست بنانے کی ضرورت کی طرف لیک سکس والوں کو توجہ دلائی۔

۸ مارچ ۱۹۴۹ء کو حکومت ہند کی طرف سے مسٹر نمٹز کے نام ایک ذاتی چٹھی روانہ کی گئی تھی۔ جس میں اور باتوں کے علاوہ ایڈمرل نمٹز کے ناظم رائے عامہ کی تقرری پر رضامندی ظاہر کر دی گئی تھی۔ چونکہ یہ ذاتی خط جو خفیہ نوعیت کا تھا۔ کمیشن کے ہاتھ لگ گیا۔ انھوں نے اس خط کو اپنے پاس رکھ کر اس کا خلاصہ ایڈمرل نمٹز کو بھیجدیا۔

پی۔ ٹی۔ آئی نے لیک سکس سے ۲۳ اگست کو "مسئلہ کشمیر میں تعطل" کا ذکر کرتے ہوئے اس بات کا انکشاف کیا کہ یہ تعطل ایک ثالث کے سپرد ہوگا۔

کمیشن نے ۲۴ اگست کو اس خبر پر غور کیا اور اس کی تشہیر پر نہ صرف ناراضگی کا اظہار کیا بلکہ نوعیت کے فیصلے قبل از وقت لیک ہوتے پر انھیں تشویش ہونے لگی۔ کافی کوشش کے بعد مسٹر کارڈل پر کسی نے شک نہیں کیا۔ جو لارڈ مونٹ بیٹن کے ایجنٹ کے طور پر یہاں کام کر رہا تھا۔

ایک خصوصی میٹنگ کے بعد فیصلہ ہوا کہ کونسل کے صدر کو بذریعہ تار مطلع کیا جائے تاکہ سیکریٹری ل سے یہ بیان جاری ہوں کہ ایسے اقدام کے متعلق فیصلہ کرنا کمیشن کا کام ہے تاکہ غلط فہمی کا ازالہ ہو سکے۔ حفاظتی کونسل کے نام باضابطہ طور پر S/AC-12/323 SR کے تحت یہ دستاویز روانہ کر دی گئی اور تعجب کی بات ہے کہ اس دستاویز کو منزل مقصود تک پہنچنے ہی نہیں دیا گیا اور جب اس کا سراغ لگایا گیا تو سیکریٹریٹ کا ایک اہم رکن مسٹر کارڈل اس کا ذمہ دار پایا گیا۔

کمیشن کے اس وقت کے چیکوسلواکیہ کے ممبر جو صدر کے فرایض انجام دے رہے تھے کے حاجی تار جو انھوں نے روسی صدر کو دستاویز S/AC-12/254-SR کے تحت بھیجدیا تھا۔ روسی صدر تک پہنچنے ہی نہیں دیا گیا۔

سر الیگزینڈر گراہم اور سیکریٹری جنرل مسٹر ٹریگولی کے بحری تاروں کے ذریعے شکایات کو ن نے نامکتفی قرار دیا۔ چنانچہ چیکوسلواکیہ کے نمائندے نے اپنے بیان مورخہ ۱۶ ستمبر ۱۹۴۹ء ان فرائض کو اجاگر کیا جو کمیشن لیک سکس اور حفاظتی کونسل کے درمیان واضح ہو رہی تھیں۔ طرح کمیشن اور حفاظتی کونسل کے اختیارات میں مسٹر کارڈل کی مداخلت نے یہ ثابت کر دیا۔ تو ہے جس کی پردہ داری ہے۔

سلامتی کونسل میں وزیر اعظم شیخ عبداللہ کے بیانات اور پھر کشمیر کمیشن کی عمل آوری میں وٹ کے بعد جب کمیشن ناکام ہوا تو اچانک ان میں ایک زبردست تبدیلی آ گئی اور وہ بھارت ق میں کئے گئے اب تک کے کام پر خود پانی پھیر گئے۔

کشمیر میں ایسے لوگوں کی کوئی کمی نہیں جو سلامتی کونسل کو اس بات پر آج بھی کوس رہے ہیں کہ ن برسوں تک مسئلہ کشمیر" لٹکتا رہا اور بین الاقوامی نوعیت کا یہ مسئلہ حل نہیں ہو سکا۔ ایسے ان حالات اور واقعات سے بالکل بے خبر ہیں جو "مسئلہ کشمیر" حل ہونے میں رکاوٹ بنے سلامتی ل نے جب جب یہ رکاوٹیں دور کر کے "رائے شماری" کرانے کا پروگرام بنایا۔ تب تب محمد عبداللہ دیوار بن کر حائل ہو گئے۔





بھارت کے حق میں فیصلے دینے کے بعد شیخ صاحب
فکر مند ضرور ہوتے تھے، مگر.....

ہم تو خود ڈال چکے پاؤں میں زنجیرِ وفا!
ایسے حالات میں کیا جانبِ زنداں چلیے

حکمرانِ کشمیر کی ایک نئی کروٹ

شیخ محمد عبداللہ نے ۱۹۳۵ء سے لے کر ۱۹۳۸ء تک اندرونی طور پر بھارت کے حق میں کام کیا۔ ۱۹۳۸ء سے مئی ۱۹۴۹ء تک اُنھوں نے "رائے شماری" کا نظریہ نہ صرف مسترد کیا بلکہ اس کے خلاف ایک چٹان بن کر کھڑے ہوئے اس دوران اُنھوں نے الحاق کو حتمی بنانے کے لئے اچھے اور بُرے کام بھی کئے۔ الحاق کی مضبوطی کے لئے اُنھوں نے کشمیری عوام کے ساتھ ساری عمر دھوکہ اور فریب دیا۔ الحاق کے ہی اُنھوں نے قانون ساز اسمبلی کے قیام پر اس کے ساتھ ایسی بے حرمتی کی کہ تاریخ اس بے حرمتی کی گواہ بن گئی۔

الحاق کو ناقابلِ تنسیخ بنانے کے لئے اُنھوں نے کوئی بھی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا۔ اس کے لئے اُنھوں نے اپنی قوم کی تمنائیں، آرزوئیں اور خواہشیں ملیامیٹ کر دیں۔ الحاق کی حامی ہونے کی اُنھوں نے اس دوران جتنی قسمیں کھائیں اُن کا کوئی حساب نہیں ــــ یہ سب کچھ کرنے کے بعد اچانک مئی ۱۹۴۹ء میں اُنھوں نے مختلف بیان دے کر سب کو ورطۂ حیرت میں ڈال دیا۔

ایک برطانوی اخبار "سنڈے آبزرور" کے نمائندے مائیکل ڈیوڈسن کو حسبِ ذیل بیان دیا:

"میں دنیا کے سامنے یہ واضح کرنا چاہتا ہوں کہ آزاد اور خود مختار رہنا چاہتے ہیں۔ اس لئے کہ دو ممالک ہندوستان اور پاکستان کسی بھی ایک کے ساتھ الحاق کرنے سے امن قائم نہیں ہو سکتا، ہم دونوں ممالک کے ساتھ دوستانہ تعلقات قائم کر کے زندگی بسر کرنا چاہتے ہیں۔ یہی ایک طریقہ ہوگا کہ کوئی درمیانی راستہ اختیار کر کے ہم دونوں کے ساتھ معاشی تعلقات قائم کریں۔ بہر حال ایک "خود مختار کشمیر" کو نہ صرف پاکستان اور ہندوستان کی گارنٹی ملنی چاہئے بلکہ اس کے لئے برطانیہ، امریکہ اور اقوام متحدہ کے دیگر ممبران کی ضمانت بھی لازمی ہے اور کشمیر کے لیے ایک زبردست مشترکہ

سوئیزرلینڈ کا نقش ہے۔ میں کشمیر کو دوسرا سوئیزرلینڈ بنانا چاہتا ہوں۔"

اخبار "سنڈے آبزرور" میں یہ بیان چھپتے ہی امریکی سرکار نے دہلی میں مقیم اپنے سفیر لائے اینڈرسن کو شیخ عبداللہ کے ساتھ اس بیان کے دائرے میں بات چیت کے لئے سرینگر بھیجا۔ لائے اینڈرسن یہاں اپنی بیوی کے ہمراہ آگیا۔ دونوں نے اس مسئلے پر شیخ صاحب کے ساتھ بات چیت کے کئی دور کئے۔ ان میں بات چیت کے تین دور بالکل خفیہ نوعیت کے تھے۔

کشمیر کو آزاد اور خود مختار رکھنے کے لئے شیخ صاحب کے سامنے یہ تجویز رکھی گئی کہ وہ اس ریاست کو انجمن اقوام متحدہ کی تحویل میں رکھکر کچھ مدت کے لئے اقتدار سے دستبردار ہو جائیں۔ شیخ صاحب نے اینڈرسن کی اس تجویز کے ساتھ اتفاق نہ کر کے اقتدار سے دستبردار ہونے سے صاف انکار کیا۔ اس طرح ابتداء میں ہی ایک اہم مسئلہ کھڑا ہو گیا۔

مسٹر اینڈرسن کی دلیل یہ تھی کہ جب تک مقامی حکومت برقرار ہے تب ریاست کو انجمن اقوام متحدہ کی تحویل میں نہیں دیا جا سکتا، مقامی حکومت کے برسر اقتدار ہوتے ہوئے اس ریاست کو انجمن کے سپرد کرنے کا قانونی اور نہ اخلاقی جواز ہے۔ شیخ صاحب اکڑ گئے انھوں نے کسی بھی صورت میں تھوڑے دنوں کے لئے ہی سہی اقتدار چھوڑنے سے انکار کیا اور صاف صاف بتا دیا جو کچھ کرنا ہے اسی طرح کر لو۔

شیخ صاحب کی اس ہٹ دھرمی کو دیکھ کر لائے اینڈرسن اور ان کی مسز نے ڈپٹی وزیر اعظم بخشی غلام محمد اور غلام محمد صادق سے ملاقات کی اور ان کے سامنے تمام حالات واضح کر کے انھیں شیخ صاحب کو منانے بھیجا۔

بخشی غلام محمد اور غلام محمد صادق نے شیخ صاحب کو سمجھانے کی کوشش کی لیکن یہ سب رائیگاں گئی۔ جب معاملہ کھٹائی میں پڑ گیا تو ایک بار اور سبھوں نے مل کر شیخ صاحب کو سمجھانے بجھانے کی کوشش کی، اس بار امریکی فورڈ کمپنی کا مالک بھی میٹنگ میں شریک ہوا۔ شیخ صاحب کسی حد تک آمادہ ہو گئے اور ریاست کی آزادی و خود مختاری کی صورت میں مالی وسائل کا تذکرہ چھڑ گیا۔ اینڈرسن نے انھیں یقین دلایا کہ مالی وسائل کی آپ بالکل کوئی فکر نہ کریں۔ "خود مختاری کی صورت میں امریکہ کافی مالی امداد مہیا کرنے کی ذمہ داری قبول کر لیتا ہے اور ساری دُنیا میں اسے ایک نمونے کا خطّہ بنانے کا وعدہ کرتا ہے۔ امریکہ آپ کے ملک کو دولت سے مالا مال کرے گا۔ اس موقعہ پر فورڈ کمپنی کے مالک نے یقین دلایا کہ ابتداء کا سارا خرچہ

ری کمپنی برداشت کرے گی۔

مالی وسائل سے مطمئن ہونے کے بعد شیخ صاحب نے اس مسئلہ پر سوچ بچار کرنے کی مہلت مانگی۔ لائے اینڈرسن دہلی واپس روانہ ہو گئے لیکن مزید بات چیت کے لئے انھوں نے اپنی مسز کو یہیں رکھ چھوڑا۔ چند روز کے بعد جب اس سلسلے میں شیخ صاحب سے پھر ملاقات کی گئی تو وہ وہیں پر تھے جہاں پہلے تھے۔ یعنی میں اقتدار نہیں چھوڑ سکتا، انجمن اقوام متحدہ کو جو کچھ کرنا ہے اسی حالت میں کرے۔

شیخ عبداللہ کو لاکھ سمجھایا گیا کہ آپ کی اس اکڑ اور ہٹ دھرمی سے سنہری موقع ہاتھ سے جا رہا ہے لیکن اُن کا ایک ہی جواب تھا۔

"کچھ بھی ہو میں اقتدار نہیں چھوڑ سکتا۔"

اس اکڑ سے باز آنے کے لئے مسز لائے اینڈرسن نے شیخ صاحب کو اپنے ساتھ تنہائی میں یعنی امرناتھ یاترا کو لیا، انھیں یاترا پر جانا تھا یا نہیں البتہ وہ شیخ صاحب کو علیحدگی میں سمجھانا چاہتی تھیں۔



(غلام محمد صادق)

بقول غلام محمد صادق مسز لائے اینڈرسن اپنے مشن میں کسی حد تک کامیاب ہو گئیں اور یاترا کی واپسی پر جب اس نے ہمیں یہ خوشخبری سُنائی تو ہمارے سامنے خوبصورت اور وہ بھی خود مختار کشمیر جنّت کے روپ میں گھومنے لگا، ہمارے سامنے کشمیر کا خوشحال مستقبل ناچنے لگا۔ جس میں لوگ خوشحال اور فارغ البال ہوں گے ترقّی یافتہ ممالک کے صف میں اپنے ملک کو دیکھ کر ہم خوش ہو رہے تھے۔ اس خوشی میں شریک کرنے لئے ہم دہلی میں لائے اینڈرسن کو شریک ہی کر رہے تھے کہ شیخ صاحب پھر مُکر گئے۔ اُن کا کہنا تھا مجھے کیا گارنٹی ہے کہ انجمن اقوام متحدہ میں جانے کے بعد مجھے ہی دوبارہ اقتدار ملے گا؟

شیخ عبداللہ کو لاکھ سمجھایا گیا کہ آپ کے بغیر اور کون ہو سکتا ہے جس کو خود مختار کشمیر کا سربراہ بنایا جا سکتا، محض شک کی بنا پر آپ خود مختار کشمیر کا خواب چکنا چور کر رہے ہیں!

بالفرض محال اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ اقتدار آپ کو نہیں ملتا تو کیا ہوا؟ آپ قوم کے شاندار مستقبل کے لئے اتنی سی قربانی نہیں دے سکیں گے۔ کل کو اگر آپ سے کسی وجہ سے یہ اقتدار چھن گیا

تو آپ کیا کریں گے ؟ ۔ کیا اُس وقت آپ پچھتائیں گے نہیں ۔

شیخ صاحب نے ہماری سُنی کو اَن سُنی کر دیا۔ اس موقع پر مسز لائے اینڈرسن نے ہم سے کہا:

"میں نے آج تک ایسا شخص نہیں دیکھا جس نے قوم کا رہنما ہو کر قوم کا مستقبل اپنے ذاتی اقتدار پر قربان کیا ہو، میں نے کم مدت کے لئے ہی سہی ان کے قریب رہ کر جان لیا۔ اس کا دل ایک اور زبان ایک ہے۔ یہ شخص اپنے قول پر قائم رہنے والا نہیں۔ اس کی پیروی کر کے قوم ہمیشہ نقصان میں رہے گی ایک وقت ضرور آئے گا جب یہ اپنے کئے پر پچھتائے گا لیکن اس وقت ان کے پچھتاوے کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا ــــ !"

مسز لائے اینڈرسن کی سرینگر سے واپسی کے بعد ۲۹ ستمبر ۱۹۵۰ء کو امریکی سفیر لائے اینڈرسن نے اپنے دورۂ کشمیر کی جو رپورٹ امریکی اسٹیٹ ڈیپارٹمنٹ کو بھیجی۔ اس میں انھوں اور باتوں کے علاوہ لکھ دیا تھا :-

"کشمیر کے اپنے قیام کے دوران میں نے وزیر اعظم شیخ محمد عبداللہ کی استدعا پر اُن کے ساتھ دو خفیہ مذاکرات کئے۔ ان ملاقاتوں کے دوران انھوں نے میرے ساتھ کشمیر کے مستقبل کے بارے میں اپنے کچھ مسائل اور نظریات زیر بحث لائے انھوں نے قابلِ غور اصرار کے ساتھ وہ سب دلیلیں مسترد کیں کہ وہ کمیونسٹ نواز یا سوویت روس کے حمائیتی ہیں۔ انھوں نے اس بات سے بھی انکار کیا ہے کہ وہ امریکی مخالف ہیں ــ اُنھوں کہا کہ ذاتی طور پر مجھے کشمیر کے اقتصادی مستقبل کے بارے میں کوئی اُمید نہیں۔ چاہے یہ ہند کے ساتھ رہے یا پاکستان میں شامل ہو یا خود مختار رہے جب تک نہ اس کو امریکہ کی دوستی اور تعاون حاصل ہو، شیخ عبداللہ نے اقرار کر لیا کہ میری رائے میں یہ یقین کر لینے کے لئے وجوہات موجود ہیں کہ آزاد کشمیر کے بعض لیڈر بھی خود مختاری کے خواہاں ہیں اور اس سلسلے میں اپنا تعاون دینے کے لئے تیار ہیں بشرطیکہ کسی معقول موقعے سے پتہ چلے کہ اس قسم کا تعاون خود مختاری کے حصول پر ختم ہو.....

شیخ عبداللہ کی رائے میں ایک خود مختار کشمیر صرف اسی صورت میں زندہ رہ سکتا ہے جب اسے ہندو پاک دونوں کی دوستی حاصل ہو، ہندوستان

اور پاکستان خود بھی آپس میں دوست بن کر رہیں اور امریکہ اقوامِ متحدہ کے ذریعے براہِ راست اپنی سرمایہ کاری یا اقتصادی امداد کے ذریعے کشمیر کو اپنے شاندار ذرائع پیداوار میں ترقی دلانے کے قابل بنائے۔

ہندوستان کے ساتھ رہ کر آنیوالے زمانے میں کشمیری عوام کی نسبتہً حالی خوشحالی میں بدل نہیں جائے گی، ہندوستان میں اتنے زیادہ علاقے فوری معاشی ترقی کے محتاج ہیں کہ مجھے یقین ہے کہ کشمیر کو مقابلتاً بہت کم توجہ مل جائے گی پھر بھی ترجیحی لحاظ سے کشمیر کو ہندوستان میں شامل رہنا چاہیئے نہ کہ پاکستان کے ساتھ کیونکہ فرسودہ قرآنی نقطۂ نظر رکھنے والی حکومت کے تسلط میں جانا کشمیر کے لئے تباہ کن ثابت ہوگا۔"

شیخ محمد عبداللہ کے بارے میں یہ عام تاثر ہے کہ وہ قرآن پڑھنے کے سخت دلدادہ تھے۔ اُن کی میٹھی اور سریلی آواز مسحور کُن ہوا کرتی تھی۔ اپنی خوش گلو آواز میں قرآنی آیات پڑھکر وہ حاضرین پر وجد طاری کر دیا کرتے تھے۔ شیخ عبداللہ پچھلی صف کے لیڈر تھے۔ جن کے اگلی صف میں آنے کا ایک بڑا سبب یہ بنا کہ لوگ ان کی زبانی تقریر سے قبل قرآنی آیات سُننے کے لئے بے قرار رہتے تھے۔ ان کی تقریر کا کہیں بھی پروگرام ہوتا لوگ دوڑے ہوئے اجتماع میں شامل ہوتے تھے۔ تاکہ اُن کے حلق سے قرآنی آیات سُننے کا موقع ملے۔ خوش گلو آواز میں قرآنی آیات پڑھنے کی وجہ سے زیادہ لوگ نہ صرف اُن کی طرف متوجہ ہو گئے بلکہ وہ ان کے گرویدہ بھی ہو گئے۔ لوگ ان پر جان لٹانے پر تیار ہو گئے۔

قائداعظم محمد علی جناح کا کہنا تھا کہ "شیخ عبداللہ قرآن پڑھتے نہیں بلکہ گاتے ہیں"۔ کچھ بھی ہو قرآن شریف کی تلاوت نے شیخ محمد عبداللہ کو بامِ عروج پر پہنچا دیا مگر افسوس قرآن کے بارے میں بھی اُن کی نیت صاف نہیں تھی۔

ایک مُسلمان جو صدق دلی سے قرآن پر ایمان لا کر اُس کی تلاوت کرے وہ قرآن کو نعوذ باللہ فرسودہ نہیں کہہ سکتا، قرآن کو فرسودہ کہنا اس کی اہمیت اور عظمت سے منکر ہونے کے برابر ہے اور جو مسلمان قرآن سے منکر ہو جائے۔ وہ مُسلمان کہلانے کا ہرگز مستحق نہیں۔ ان کے ایسا کہنے سے سیاست کے ساتھ دین و مذہب کے بارے میں اُن کا تضاد واضح ہو جاتا ہے۔

لائے اینڈرسن کے مشن کی ناکامی کے بعد سلامتی کونسل نے رائے شماری اور حقِ خود

اختیاری کی عمل آوری کے لئے سراوُون ڈکسن کو روانہ کیا۔ ڈکسن نے یہاں آکر شیخ محمد عبداللہ کے ساتھ کئی ملاقاتیں کیں۔ بالآخر انھیں بھی یہاں سے نامراد ہوکر واپس جانا پڑا۔ شیخ عبداللہ نے ڈکسن پلان کی جتنی مخالفت کی اتنا ہی بعد میں اس پلان کو لاگو کرانے پر زور دیا۔

جولائی ۱۹۵۰ء میں سراوُون ڈکسن اپنے پلان میں بھارت کی حمایت حاصل نہ کرا سکے۔ فوجوں کے انخلاء کے بارے میں بھارت نے اُن کی تجویز نامنظور کی۔ اس طرح ڈکسن کا پلان یہیں پر ختم ہوا تھا اور قاعدے کے مطابق انھیں اپنی ناکامی کی رپورٹ پیش کر کے لیک سیکس واپس تشریف لیجانا چاہئے تھا۔ لیکن وہ ایک ایسے مشن کی تکمیل میں سرگرم ہو گئے جو سلامتی کونسل نے ان کے سپرد نہیں کیا تھا۔ یعنی متبادل حل پیش کرنے کا مشن۔ دراصل ڈکسن ناکام ہوکر واپس جانا نہیں چاہتے تھے۔ اسی لئے انھوں نے اپنی طرف سے ایک متبادل حل پیش کیا۔

مسئلہ کشمیر کا جو متبادل حل ڈکسن نے پیش کیا۔ اس کے تحت کشمیر کی وادی کو چھوڑ کر ریاست کے دیگر علاقے موجودہ سیز فائر لائن میں تھوڑا بہت ردوبدل کر کے ہندوستان اور پاکستان میں تقسیم کر دینے اور وادیٔ کشمیر میں رائے شماری کرنے کا تھا۔ اس کے ساتھ ہندوستان یا پاکستان میں شامل ہونے کے بجائے ایک آزاد مملکت کی بھی تجویز تھی۔

۲۰ جولائی ۱۹۵۰ء میں ڈکسن نے نئی دہلی میں پاک بھارت وزیراعظم کی کانفرنس میں تین متبادل حل پیش کئے۔

ایک تجویز اُن کی یہ تھی کہ جنگ بندی لائن کو ختم کر کے ریاست کو ایک ہی غیر جانبدار انتظامیہ کے سپرد کر دیا جائے۔ یہ انتظامیہ جنگ بندی لائن کے دونوں طرف بااختیار ہو اور بھارت کی پروداختہ انتظامیہ اور آزاد کشمیر تحریک کے افراد پر مشتمل ہو۔ اگر یہ صورت ناقابلِ قبول ہو تو حکومت اقوام متحدہ کے نمائندوں کے سپرد کی جاسکتی ہے تاکہ فوجوں کا انخلاء کیا جاسکے اور استصواب کے لئے راہ ہموار کی جاسکے۔ تیسری تجویز کے مطابق "محدود استصواب" اور ریاست کا باقی حصّہ دونوں ممالک میں تقسیم ــــ!

سراوُون ڈکسن نے اپنی رپورٹ پیراگراف ۵۱ میں لکھا ہے۔ ان میں سے کوئی بھی تجویز بھارت نے قبول نہیں کی۔ بھارت کے انکار کے بعد ڈکسن پاکستان گئے۔ اس دورے کے بارے میں انھوں نے لکھا ہے:۔

"پاکستان پوری ریاست میں استصواب سے کم کسی صورت کو قبول نہیں کر سکا۔ البتہ

اس سلسلے میں بھارت کے وزیراعظم کے ساتھ مذاکرات کرنے کے لئے تیار ہے۔"

پاکستان سے دہلی واپس آکر دوبارہ بات چیت شروع کی لیکن بھارت نے محدود استصواب کرانے کی صورت میں بھی اپنی فوج ہٹانے سے انکار کیا نیز انھوں نے شیخ عبداللہ کی حکمرانی کو اس طرح برقرار رہنے پر بھی زور دیا۔"

بھارتی حکمرانوں کے ساتھ اس بات چیت کے بارے میں ڈکسن نے اپنی رپورٹ کے پیراگراف 8-83 میں لکھا ہے۔ بھارتی وزیراعظم نے ہر اُس شرط کو قبول کرنے سے انکار کیا۔ جو استصواب کے آزادانہ اور ناجائز اثرات سے پاک ہونے کی ضمانت دیتی۔

مسئلہ کشمیر کے حل کے بارے میں مغربی ممالک کے کئی سفارتی اور غیر سفارتی نمائندوں نے شیخ عبداللہ سے کھلے بندوں اور خفیہ ملاقاتیں کر کے انھیں یہ یقین دلانے کی کوشش کی کہ وہ اگر کشمیر کو ہندوستان اور پاکستان سے الگ تھلگ مملکت بنانے کی تجویز قبول کریں تو اس کی حمایت کی جاسکتی ہے اور سوئیزرلینڈ کی طرح کشمیر آزادی کی گارنٹی اور مالی امداد دے کر اسے ایک نمونے کا خطہ بنایا جاسکتا ہے۔ ان سفارتی اور غیر سفارتی نمائندوں میں لائے اینڈرسن، مسٹر سٹیونسن، ڈاکٹر فرینک گراہم اور سراوُون ڈکسن قابلِ ذکر ہیں۔

ڈکسن کے بعد یہاں ڈاکٹر فرینک گراہم آگئے۔ ڈاکٹر گراہم سلامتی کونسل کی طرف سے اس کام پر مامور کئے گئے تھے تاکہ وہ ہندوستان اور پاکستان کی حکومتوں کو ریاست سے اپنی اپنی فوجیں نکالنے کے لئے کسی سمجھوتہ پر رضامند کر لیں چونکہ دونوں مملکتیں استصواب کے فارمولے پر متفق ہو چکی ہیں اس پر کسی نہ کسی طرح عملی جامہ پہنایا جائے، ڈاکٹر گراہم کو تین مہینے کے بجائے چھ مہینے کی معیاد دی گئی اور سلامتی کونسل کی ایک قرارداد کی رو سے طے پایا کہ اگر وہ مقرر معیاد کے اندر اندر فوجوں کے اخراج کے بارے میں فریقین میں کوئی معاہدہ کرانے میں کامیاب نہیں ہوئے تو یہ معاملہ کسی ثالث کے سپرد کیا جائے گا۔ اُدھر سلامتی کونسل میں ڈاکٹر گراہم کے تقرر کا فیصلہ ہوا۔ ادھر شیخ عبداللہ کو دہلی طلب کیا گیا۔ شیخ صاحب کوئی چار دنوں تک دہلی میں قیام پزیر رہنے کے بعد سرینگر واپس لوٹے تو ایر پورٹ پر انھوں نے اخباری نمائندوں کو بتایا:۔

"..... ہم اس بات کو مکرر دہراتے ہیں کہ کشمیر کا فیصلہ کوئی ثالث نہیں کر سکتا، کشمیر کا فیصلہ کشمیری عوام کو کرنا ہے۔"

ڈاکٹر فرینک گراہم نے حسبِ ذیل پانچ تجاویز دونوں ملکوں کے سامنے رکھیں۔

(۱) دونوں ممالک امن قائم رکھنے کا اعلان کریں اور کوئی ایسا قدم نہ اٹھائیں جو صورتحال کو خراب کرنے کا باعث بنے۔ دونوں ملک ایسے حالات پیدا کرنے میں مدد دیں جو حالات کو خوشگوار طور پر جاری رکھنے میں ممد ہوں۔

(۲) جنگ بندی لائن کا احترام کرنے کا اعلان کیا جائے۔

(۳) اس مسئلے پر بہت جلد غور کیا جائے کہ پاکستان کے خالی کئے جانے والے علاقے کا انتظام کون کرے گا۔ اس امکان کا جائزہ بھی لیا جائے کہ ریاست کے تحفظ کے لئے پاکستانی فوجوں کے انخلاء کے بعد اقوام متحدہ کی فوجیں بھیجی جاسکتی ہیں یا نہیں۔

(۴) استصواب کی جو شرائط کمیشن کی قراردادوں میں طے کی گئی ہیں اُن کے متعین تعبیرات پر دونوں ممالک اتفاق کریں۔

(۵) دونوں ممالک کے وزیر اعظم کی ایک کانفرنس اقوام متحدہ کے نمائندے کی نگرانی میں منعقد کی جائے۔

ڈاکٹر فرینک گراہم کی اپنی رپورٹ کے پیراگراف 37 - 33 کے مطابق بھارت نے یہ تجویزیں مسترد کر دیں۔

ڈاکٹر گراہم دہلی سے سرینگر کے لئے روانہ ہو گئے۔ جس روز وہ وارد کشمیر ہوئے۔ اُسی روز شام پانچ بجے کے قریب شیخ صاحب نے پلیڈیم سنیما کے پاس لال چوک میں عوام سے خطاب فرماتے ہوئے کہا۔

"..... چالیس لاکھ کشمیریوں کی قسمت کا فیصلہ کوئی ثالث نہیں کر سکتا۔ سلامتی کونسل کی کوئی بھی قرارداد یہاں کے لوگوں کو قابلِ قبول نہیں۔ ہم کسی غیر ملکی ثالث کا فیصلہ ماننے کے لئے تیار نہیں۔"

شیخ صاحب کی تقریر کے اختتام پر چیدہ چیدہ افراد کی ایک جماعت جلوس کی صورت میں سرکٹ ہاؤس گئی جہاں ڈاکٹر فرینک گراہم تشریف رکھتے تھے۔ سرکٹ ہاؤس پہنچ کر اس جماعت نے آسمان سر پر اُٹھایا۔

"ڈاکٹر گراہم ـــ واپس جاؤ ـــ واپس جاؤ!"

ڈاکٹر گراہم کے واپس جاؤ کے زوردار نعرے لگانے والوں میں وہ لوگ بھی شامل تھے

بعد میں پورے ۲۲ سال تک "رائے شماری" کے سُہانے راگ الاپ کر لاکھوں لوگوں کے جذبات و احساسات سے کھیلتے رہے۔ ابتدا میں جب یہ لوگ "رائے شماری فوراً کراؤ" کے نعرے لگانے لگے تو اس کے ساتھ انھوں نے فرینک گراہم کو بھی جوڑ دیا۔

"رائے شماری فوراً کراؤ ـــ فرینک گراہم واپس آؤ!"

جس وقت انجمن اقوامِ متحدہ نے ریاست میں رائے شماری کرانے کا موقع فراہم کیا۔ اُس وقت چلا چلا کر کہا گیا۔ "واپس جاؤ ـــ واپس جاؤ، ہمیں یہ فیصلہ منظور نہیں!!" لیکن جب اقتدار چلا گیا تو گلا پھاڑ پھاڑ کر کہلوایا گیا۔

"واپس آؤ ـــ واپس آؤ، ہمیں یہی فیصلہ منظور ہے۔"

یہ بے غیرتی اور بے شرمی کا ایسا مظاہرہ تھا جس کی مثال ملنی مشکل ہے۔

یہ بدحواسی بجائے خود ناقابلِ فہم تھی۔ تجویزیں پیش کرنے والوں اور فارمولے وضع کرنے والوں کو پانی پی پی کر کوسا گیا۔ ہر طرف ایک بے معنی شور و غوغا بلند کیا گیا۔ بعد میں اقتدار کھو جانے کے بعد اس ہر لونگ کا دنیا والوں نے کوئی نوٹس نہیں لیا۔

ڈاکٹر فرینک گراہم کے مشن کی ناکامی کے بعد ۲۴ فروری ۱۹۵۰ء کو انجمن اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل میں ایک نیا ریزولیوشن پیش کیا گیا۔ اس ریزولیوشن میں میگناٹن فارمولے کی اساس پر تجویز کیا گیا کہ ہندوستان و پاکستان دونوں اپنی اپنی فوجیں فوری طور پر واپس لے جائیں۔ کشمیر کمیشن کے تمام اختیارات انجمن اقوامِ متحدہ کے نمائندہ خاص کو سونپ دئے جائیں اور کمیشن کو تحلیل کیا جائے۔ بعد میں رائے شماری کے لئے ناظم اعلیٰ ایڈمرل ڈبلیو نمٹز کی ضرورت کو پورا کرنے کے لئے قرارداد میں ترمیم کر دی گئی۔

سلامتی کونسل کی اس قرار پر جہاں سوویت روس نے ویٹو پاور استعمال نہیں کیا وہاں برطانیہ کے نمائندے سر الیگزینڈر گریگ نے میگناٹن فارمولے کی تائید میں سلامتی کونسل سے مطالبہ کیا کہ وہ جس راستہ کو مناسب سمجھتی ہے۔ اس پر چل کر دونوں ممالک کی فوجوں کو نکال کر وہاں رائے شماری کا انتظام کرے۔

اس قرارداد کی منظوری سے ہندوستان کو ایک دھچکا سا لگا۔ ۲۷ فروری کو کانگریس کمیٹی کی ایک میٹنگ کے بعد ڈاکٹر سیف الدین کچلو کو کشمیر روانہ کیا گیا۔ ڈاکٹر کچلو نیڈوز ہوٹل سرینگر میں ٹھہرے اور یہیں پر شیخ صاحب نے ان کے ساتھ رات گئے تک بات چیت کی،

اگلے روز شیخ صاحب نے اخباری کانفرنس میں بتایا:-

"کشمیر ہندوستان کے ساتھ اپنا دامن باندھ چکا ہے۔ ہم نہرو کے ساتھ ساحل پر پہنچ جائیں گے ورنہ اُنہی کے ساتھ غرق ہو جائیں گے۔ ایک واحد شخص کا کمیشن کوئی حل تلاش کرنے میں کامیاب ہوگا یا نہیں۔ ابھی کچھ نہیں کہا جا سکتا لیکن ایک بات صاف ہے۔ اگر مصالحت کنندہ نے میگناٹن فارمولے کی اساس پر قدم اُٹھایا تو ناکامی لازمی ہے۔ ہم پوری شدت کے ساتھ اس فارمولے کو مسترد کر چکے ہیں۔ میگناٹن فارمولے نے بنیادی مسئلہ ہی نظر انداز کر دیا ہے۔ اس نے نام نہاد آزاد کشمیر، پاکستان اور ہندوستان کو ایک ہی سطح پر لانے کی مجرمانہ کوشش کی ہے۔"

وزیر اعظم شیر کشمیر شیخ محمد عبداللہ کے اخباری بیان کے ساتھ ہی اس مسئلہ کا خاتمہ بالخیر ہو گیا۔ جو مسئلہ کشمیر کے نام سے دُنیائے عالم میں موضوعِ بحث بنا ہوا تھا۔

انجمن اقوامِ متحدہ کی قرار دادوں اور تمام تجویزوں کو ناکام بنانے میں شیخ محمد عبداللہ نے جو رول ادا کیا اس سے صاف ظاہر ہے کہ انھیں کشمیری قوم کی آزادی، حق خود ارادیت اور رائے شماری کے ساتھ بے حد نفرت تھی۔ شیخ عبداللہ ریاست جموّں وکشمیر کی آزادی، اور خود مختاری کے سخت ترین دُشمن تھے۔ وہ نہیں چاہتے تھے کہ ریاست ہندوستان سے الگ ہو جائے۔ ہندوستان کے ساتھ ریاست کو وابستہ کرنے میں انھوں نے جو کارنامہ انجام دیا ایسا کوئی کٹر ہندو فرقہ پرست بھی نہیں کر سکتا۔

اگر اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ ہندوستان کو دل وجان سے چاہتے تھے اور اس چاہت میں ہی سارا کام ہندوستان کے مفاد کے لئے کر رہے تھے۔ تب تو ٹھیک ہے اور قابل داد بھی — لیکن ہندوستان کے ساتھ لاکھ اختلافات کے باوجود بھی انھیں اپنے اس نظریئے سے ہٹنا نہیں چاہئے تھا۔ اقتدار سے محروم ہونے کے باوجود بھی انھیں اپنے خیالات اور نظریات کی نفی نہیں کرنا چاہئے تھی۔ انھیں مرار جی ڈیسائی کی مثال قائم کرنا تھی جو اقتدار سے محروم ہو کر بھی ہندوستانی ہی رہے۔ حالانکہ کردار، گفتار اور عمل سے آپ مرار جی ڈیسائی سے بھی بڑھکر ہندوستانی تھے۔

ہندوستانی ہونے، ہندوستانی رہنے اور ہندوستانی مرنے کے دعویدار سلامتی کونسل کو کورا جواب دینے اور کونسل کے ممبران کو نامراد واپس لوٹانے کے بعد انھیں ہرگز زیب نہیں دیتا کہ وہ ریاست کو بھارت سے الگ کرانے کی سازش میں شریک ہو جاتے۔ جبکہ وہ اس کے شریک بن گئے۔

امریکی ڈیموکریٹک پارٹی کے لیڈر مسٹر ایڈلائی سٹیونسن نے ۱۹۵۲ء کے صدارتی انتخاب میں شکست پانے کے بعد جب اپنے عالمگیر دورے کا پروگرام اعلان کیا اور پہلے مرحلے پر شکاگو سے گئے تو امریکہ میں مقیم پاکستانی سفیر محمد علی ان سے ملنے شکاگو روانہ ہو گئے۔ یہاں محمد علی، کرنل آرٹ آرمیکارمک سے بھی ملے۔ انھوں نے دونوں کو پاکستان آنے کی دعوت دی۔ جو انھوں نے قبول کی، پاکستان اور آزاد کشمیر کے دورے کے بعد مسٹر سٹیونسن یکم مئی ۱۹۵۳ء کو سرینگر تشریف لائے۔ یہاں اُنھوں نے متواتر چار روز تک شیخ عبداللہ سے ملاقاتیں کی تھیں۔ کئی ایک ملاقاتوں میں ان کے ساتھ ملٹن کلارک اور فل ایڈمنڈز بھی شامل رہے۔

۳ مئی کو ملاقات کے بارے میں جب سٹیونسن سے اخباری نمائندوں نے پوچھا تو انھوں نے جواب دیتے فرمایا۔

"کوئی بھی حل جو جلدی میں کشمیر پر ٹھونسا جائے گا۔ اس مسئلہ کا صحیح حل نہیں ہو گا۔ کیونکہ اس میں پہلی فوقیت کشمیریوں کے مفادات کو حاصل ہونی چاہئے۔ اگر خیر سگالی کا جذبہ موجود ہو اور تعجیل سے کام نہ لیا جائے تو ایک ایسا حل جو کشمیریوں کو قابل قبول ہو اور جسے وہ خوشی سے قبول کر سکیں۔ انسانی فہم وفراست سے دور نہیں۔ دونوں ہمسایہ ممالک کو جنھیں کشمیر کی خوشحالی سے دلچسپی ہے۔ ایک منصفانہ حل دریافت کرنے میں اس کی امداد کرنی چاہئے۔"

برطانوی اخبار "مانچسٹر گارڈین" نے مسٹر سٹیونسن کے دورے کے بارے میں واشگاف الفاظ میں لکھا۔

"کشمیر کے مسئلہ کا بہترین حل یہ ہے کہ کشمیر ہندوستان اور پاکستان دونوں سے الگ رہ کر خود مختار رہے۔"

۱۵ ستمبر ۱۹۵۳ء کے "ٹائمز آف انڈیا" میں شائع ہوئے ایک مراسلہ میں مسٹر سٹیونسن نے راز دلاتے ہوئے کہا تھا۔

"شیخ عبداللہ نے کہا تھا کہ ہو سکتا ہے "خود مختاری" مسئلہ کشمیر کا ایک متبادل حل ثابت ہو۔"

حیرت وتعجب کی بات تو یہ ہے کہ شیخ عبداللہ نے سلامتی کونسل کی قراردادوں کو ناکام بنانے کے بعد کونسل کے ممبران کو نامراد کرانے کے بعد بھی "خود مختار" کشمیر پر اپنا کام جاری رکھا۔ حد تو یہ ہے کہ اب وہ خفیہ طور پر بیرونی عناصر کے ساتھ "خود مختار" کشمیر پر کام کر رہے تھے۔ وہ وادی میں آزادی، خود مختاری اور رائے شماری کا نام لینے والوں کے ساتھ ظالمانہ برتاؤ کر رہے تھے۔"



شیخ صاحب اور بیگ صاحب
مرکز کے رویّے پر فکرمند ہیں

باب (۳)

بھارت اور کشمیر کے درمیان اختلافات
آغاز سے انجام تک

آ، کہ دونوں سر جھکائیں وقت کی آواز پر
تو میرے انجام پہ رو میں تیرے آغاز پر

جز :-

صفحہ نمبر

۱- سایہ میں بیٹھوں گا تو کتنا دو گے ؟ مسئلہ کشمیر اور بیرونی عناصر ۱۸۹

۲- مسئلہ کشمیر میں "کلیئر ماؤنٹ" ہاؤس بوٹ کا رول ۲۰۱

۳- مرکز اور ریاست کے درمیان ایگریمنٹ دفعہ ۳۷۰ ۲۱۱

۴- معاہدہ دہلی کے بعد مرکز اور ریاست کے تعلقات میں رخنہ ۲۲۷

۵- مرکز اور ریاست کے درمیان بگڑے تعلقات کا نقطۂ عروج ۲۳۹

چمک رہا ہے بڑی شان سے نیا سورج
کئی مقام ترستے ہیں روشنی کے لیے

"سائے میں بیٹھوں گا تو کتنا دو گے؟"
مسئلہ کشمیر اور بیرونی عناصر

وادیٔ کشمیر میں ایک کہاوت ہے کہ ایک دیہاتی کھیت میں سویا پڑا تھا۔ تیز دھوپ میں سونے سے وہ پسینہ پسینہ ہو گیا تھا۔ ایک انگریز وہاں سے گزرا تو اُسے اس دیہاتی کی حالت پر رحم آیا۔ اس نے چاہا کہ وہ اس دیہاتی کو جگائے اور اُسے قریب ہی ایک درخت کے سائے میں آرام کرنے کو کہے، چنانچہ انھوں نے ایسا ہی کیا اور دیہاتی کو جگا کر اسے پاس کے سایہ دار درخت کے پاس سونے کو کہا۔

دیہاتی نے آنکھیں مل کر جب جگانے والے کو دیکھا تو یہ ایک انگریز تھا۔ اس انگریز نے اُسے اشارے سے اُٹھ کر سائے میں جا کر سونے کو کہا۔ تو دیہاتی بولا "کتنا دو گے۔؟"

بالکل یہی بات ہماری سیاست اور سیاسی لیڈروں پر بھی صادق آتی ہے۔ ۱۹۴۸ء سے لے کر ۱۹۵۳ء تک بین الاقوامی شہرت کی کئی ہستیاں جب یہاں کشمیر آئیں اور اُنھوں نے یہاں کے مقامی لیڈروں کو "خود مختار" رہنے کا مشورہ دیا تو ان سے بھی یہی کہا گیا — کتنا دو گے ؟

ڈاکٹر فل ایڈمنڈز جو یہاں برطانوی مشن کے ایک اعلیٰ رکن تھے۔ اُنھیں امریکہ اور برطانیہ سے مشن کے اخراجات کے لئے ہر ماہ پانچ ہزار روپے ملا کرتے تھے۔ اُن کا کہنا ہے۔ یہ رقم ہمیں اُن لیڈروں کو دینا پڑتی تھی جو "خود مختار کشمیر" میں کسی قسم کی رکاوٹ بنتے یا جن کے بارے میں ہم سے کہا جاتا اگر اس کا منہ بند نہ کیا گیا تو یہ "خود مختاری" میں رکاوٹ ڈالے گا۔ یہ سلسلہ برسوں تک جاری رہا اور برسوں تک

ہیں "خود مختار کشمیر" کے نام پر لوٹا گیا۔

۱۹۴۷ء میں یہاں عوامی راج کے نافذ ہونے کے فوراً بعد جب ریذیڈنسی ختم کر دی گئی تو اہم عہدوں پر تعینات بہت سارے انگریز یہاں سے چلے گئے لیکن کئی انگریز یہیں رہ گئے۔ ان میں چند فیملیز بھی تھیں۔ کئی خواتین جو بالکل اکیلی رہ رہی تھیں۔ انھوں نے یہاں سے جانے کا نام بھی نہیں لیا۔ بعض ہستیاں یہاں آتی جاتی رہتی تھیں۔ بعض انگریزوں نے کشمیر کو اپنے لئے بہترین آرام گاہ چن لیا تھا۔

بھارت کے ساتھ ریاست کا الحاق ہونے اور شیخ عبداللہ کی طرف سے مسئلہ کشمیر حل کرنے کرانے کی کسی بھی کوشش کو ناکام بنانے کے بعد بظاہر بھارتی رہنما خاموش بیٹھے اپنا کام کر رہے تھے۔ لیکن بہ باطن انھوں نے کشمیر میں جاسوسی کا ایک جال بچھا کر رکھ دیا تھا۔

وادی کشمیر میں جو کچھ بھی ہوا کرتا اور کہیں بھی ایک پتا بھی ہلتا۔ اس کی ساری رپورٹ اُن کو مل جاتی تھی۔ بھارت کے لئے مخبری کرنے والوں میں بعض مقامی لوگوں کے ساتھ کئی انگریز بھی سرگرم تھے۔

بھارت کے لئے جب تک پانی خطرے کے نشان سے نیچے تھا۔ وہ خاموشی سے حالات پر نگاہ رکھے ہوئے تھے اور جب انھوں نے دیکھا پانی خطرے کے نشان سے اُوپر ہونے لگا اور یہ کسی بھی وقت بند کو کاٹ کر بہہ سکتا ہے تو انھوں نے سیلاب کے حالات پیدا کرنے والے کی تمام قربانیوں کو پسِ پشت ڈال کر اپنے بچاؤ میں اُن کے اُڑنے کے پَر کاٹنے کا فیصلہ کر لیا۔

مرکز کی طرف سے ۱۹۴۹ء کے وسط میں مرکزی انٹلی جنس کے ایک اعلیٰ آفیسر کے طور پر بی۔ این۔ ملک یہاں آ گئے تو انگریز لابی نے شیخ صاحب کو چوکنا رہنے کا اشارہ دیا۔ چنانچہ ایک سرے سے دوسرے سرے تک "ہوشیار، خبردار" کا سگنل دیا۔

ریاست کے سب سے بڑے حاکم اور عوام کے سب سے بڑے رہنما نے اپنے کرتوت سے اپنے لئے ایسے حالات بنا دیئے کہ وہ ریاست کے بارے میں خود مختاری کی باتیں غیروں سے رازداری میں اس طرح کرنے لگے جیسے وہ چوری کرنے اور ڈاکہ ڈالنے کا خفیہ پلان بنا رہے ہوں۔ بھارت کے ساتھ ریاست کے الحاق کو حتمی اور ناقابل تنسیخ بنانے کے حدود وہ اتنے پار کر گئے کہ اب ریاست کے بارے میں کوئی

بات کرنے کے لئے انھیں خفیہ ٹھکانوں کے ساتھ غیروں کا سہارا لینا پڑا جو شخص ... عوام کے بھاری اجتماع میں "کویٹ کشمیر" کے لئے ساری دنیا کو للکار رہا ... اب بھیگی بلی بن کر غیروں سے ملکر سازشیں کرنے لگا۔

چنانچہ کشمیر میں رہنے والے انگریزوں اور مختلف ممالک سے یہاں آنے ... احباب پر کڑی نگاہ رکھی گئی۔ خاص طور پر اُن کی ایک فہرست مرتب کی گئی جو باہر ... کشمیر آ کر یہاں سیاسی لیڈروں سے مل لیتے تھے۔

بعض برگزیدہ انگریزوں کے ساتھ ملنے کے بعد شیخ عبداللہ نے بھارتی رہنماؤں ... ارک میں رکھنے کی ناکام کوشش کی۔ ان کے ساتھ "خود مختار کشمیر" پر بات چیت ... وع کر دی، اصل میں اس بات چیت کو مرکزی سرکار نے "کشمیر سازش کیس" کا نام دیا۔

"خود مختار کشمیر" پر کام کرنے کے دوران اقوام متحدہ کے جنگی شعبے کے ڈپٹی اعلیٰ فوجی ... کرنل نکول اسمتھ اور میجر ٹوئیل یہاں آئے تو مرکزی حکومت کے ہوم ڈیپارٹمنٹ ... ایک چٹھی انٹلی جنس کے ڈائرکٹر بی۔ این۔ ملک کے نام روانہ کر دی گئی۔ جس میں انھیں ... ڈو آفیسران پر کڑی نگاہ رکھنے کی ہدایت درج تھی۔

بی۔ این۔ ملک کی آمد کے مقصد سے شیخ عبداللہ پورے واقف ہو چکے تھے۔ انھوں ... ان کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا۔ ان کی یہاں ... قدر و منزلت کی گئی۔ وہ اپنی مثال آپ ہے۔ شیخ صاحب خالی وقت میں اکثر ان کو اپنے ... ان بلاتے اور ان کی خوب خاطر مدارات کراتے۔ دونوں ایک دوسرے کے قریب آ کر ... لف امورات پر گفتگو کرتے ہوئے ایک دوسرے کے لئے ڈرامے کے کردار بن رہے ... شیخ صاحب سے باتوں باتوں میں بی۔ این ملک ان کے اندرونی خیالات اگلوانے ... شش میں لگے رہتے اور شیخ صاحب ملک صاحب کے خیالات جان کر ان کے سامنے ... روستان کے لیڈروں کی بے حد تعریفیں کیا کرتے تھے۔ پاکستان کی مخالفت اور انجمن ... ام متحدہ کی مسئلہ کشمیر میں بے جا مداخلت کی۔ ایسی دلیلیں دے کر انھوں نے بی۔ این ... ک کو اتنا متاثر کیا کہ انھوں نے شیخ عبداللہ اور مسئلہ کشمیر کے بارے میں جو رپورٹ ... ت نہرو کو بھیجی۔ پنڈت نہرو نے خوش ہو کر اُس رپورٹ کی درجنوں کاپیاں ... کر اقوام متحدہ کے تمام ممبر ممالک کو بھیجدیں۔

بی۔ این۔ ملک کو اپنے شیشے میں اُتار کر شیخ صاحب "خود مختار کشمیر" پر اپنا کام کرنے لگے۔

کرنل اسمتھ اور میجر ٹوٹیل نے نسیم باغ کے پاس ایک ہاؤس بوٹ "کلیر ماؤنٹ" میں شیخ عبداللہ کے ساتھ کئی ملاقاتیں کیں، انھوں نے کئی سرحدی علاقوں کا بھی دورہ کیا اور اہم تنصیبات کے فوٹو گراف بھی لئے۔

مرکزی سراغ رساں ٹیم نے ان فوجی آفیسروں کے بارے میں تفصیلات معلوم کرنے کا کام شروع کیا تو پتہ چلا کرنل اسمتھ دونو ہوان کا ساتھی رہا ہے۔ اُسی دونو ہوان کا جو امریکی فیڈرل بیورو آف انوسٹی گیشن کے ساتھ وابستہ تھا۔ میجر ٹوٹیل کے بارے میں پتہ چلا وہ اقوام متحدہ کے جنگی شعبہ کے ساتھ منسلک رہے ہیں۔ ان دونوں فوجی آفیسروں کے کشمیر آنے اور یہاں سے جانے پر مرکزی سرکار چوکس ہو گئی۔ ان کی چوکسی اُس وقت نکتہ عروج پر پہنچ گئی۔ جب کچھ مدّت کے بعد امریکی فیڈرل بیورو آف انوسٹی گیشن کے اہم رُکن دونو ہوان بذاتِ خود کشمیر تشریف لائے اور یہاں شیخ عبداللہ کے ذاتی مہمان بن کر رہے۔

انھوں نے اپنے قیام کے دوران فوجی اہمیت کے پیش نظر وادی کے سرحدی علاقوں کا سروے بھی کیا اور اس کے علاوہ اُنھوں نے سرینگر کلب کے منتظمین جو اتفاق سے انگریز ہی تھے کے ساتھ رابطہ قائم رکھا۔ ان میں لفٹننٹ کرنل ڈیچ، مسز او۔ پی۔ آر ڈکے، کرنل فِل ایڈمنڈز، ڈاکٹر ایچ۔ جی۔ بروکنز، ریونڈ مرفے اور ڈی۔ ای۔ ڈیوس شامل تھے۔

۹ جنوری ۱۹۵۱ء کو ایسٹ انڈین ایسوسی ایشن اور اوورسیز لیگ کے ایک مشترکہ جلسہ میں "کشمیر۔ ایک خود مختار" ریاست کا مقالہ پڑھا گیا تو سرینگر میں ڈی۔ ای۔ ڈیوس نے یہ تجویز پیش کی کہ کشمیر کو ہندوستان اور پاکستان کے آپسی سمجھوتہ اور اُن کی حوصلہ افزائی سے ایک خود مختار ریاست قرار دینا چاہیئے۔ اس موقع پر سر گاڈفرے نے ایک تقریب میں اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا:

"شاید کشمیر کی قسمت میں یہ بات لکھی ہوگی کہ وہ برِصغیر ہند کو اتحاد اور تعاون کی راہ پر چلنے کے لئے رہنمائی کرے۔"

'نیویارک ٹائمز' کی یکم نومبر ۱۹۵۱ء میں اُس کے نامہ نگار مائیکل جمیز نے شیخ عبداللہ کے ساتھ مسلسل کئی ملاقاتوں کے بعد جو مراسلہ شائع کیا۔ اس میں اس بات کی نسبت واضح اشارے کئے گئے کہ جونہی مجلس آئین ساز ایک بار کام کرنا شروع کرے گی ہند کے ساتھ الحاق کی مخالفت کرنے اور مکمل خود مختاری کے لئے ایک عوامی تحریک منظم کرنے کے امکانات پیدا ہوں گے۔"

جب ڈاکٹر گراہم اقوام متحدہ کے نمائندہ کی حیثیت سے کشمیر آئے تو اُن کے ہمراہ جو ذاتی عملہ تھا ان میں فوجی مشیر جیکب ڈیورس بھی تھے۔ کشمیر کی خود مختاری کے کام کاج کا جائزہ لینے کے لئے "نیویارک ٹائمز"، "واشنگٹن پوسٹ"، "نیویارک ہیرالڈ ٹریبون"، "لندن ٹائمز"، "مانچسٹر گارڈین"، "ڈیلی ٹیلی گراف لندن"، "کرسچن سائنس بیٹر"، "شکاگو ٹریبون" اور لائف اینڈ ٹائم" کے نامہ نگار یہاں آتے رہے اور "خود مختار کشمیر" کی پیش رفت کے بارے میں اپنے اپنے اخبارات کو مطلع کرتے رہے۔ اسی دوران ڈاکٹر بک مین امریکہ اور پاکستان سے شیخ عبداللہ کے لئے یہ پیغام لایا کہ پاکستان ایک خود مختار کشمیر کے قیام کو اس مسئلہ کا حل تسلیم کرنے کے لئے تیار ہے۔ ڈِک ہیڈن اور پیٹر ہوپ کرافٹ کے بیان کے مطابق بک مین نے ہمارے سامنے واضح کر دیا کہ کشمیر کی سیر و سیاحت کے علاوہ مجھے "کچھ اور کام" بھی انجام دینے ہیں۔

مریم پلگ اور روتھ میری کشمیر میں ایم۔ آر۔ اے (مارل ری آرمیمنٹ) کے خصوصی نمائندوں کی حیثیت رکھتی تھیں۔ یہ دونوں خواتین اپنے ہیڈ کوارٹر کو کشمیر کی صورتِ حال کے بارے میں برابر اطلاعات بہم پہنچاتی تھیں۔

واشنگٹن میں ان کے ہیڈ کوارٹر پر ایڈمرل بایرڈ نے، ربر ایڈمرل رچرڈ ای بیٹر ہارووڈ، ڈاکٹر پال کیمپ اور ڈنکن کورکان کے ساتھ ان کا نامہ و پیام رہا۔ امریکی گروپ میں مسٹر چیک روٹس سیاسی لحاظ سے زیادہ سرگرم رکن تھا۔ اس نے اس بات کا اظہار کرنے میں کوئی تعمل نہیں کیا کہ سینیٹر وائلی اور سینیٹر الگزنڈر سمتھ کو اُن کی ہی استدعا پر ایم۔ آر۔ اے کے دوروں کی مکمل رپورٹیں باقاعدگی کے ساتھ بھیجی جاتی ہیں۔

اسی دوران وادی کشمیر میں قزاقوں کی آمد شروع ہو گئی۔ سوویت رُوس اور

چین میں فسادات کے دوران ہزاروں بے گناہ قزاقوں کو وطن چھوڑنے کے لئے مجبور ہونا پڑا، ہزاروں خانہ بدوش جرگوں جنہیں روسی اور چینی جبر سے نجات پانے کے لئے ملک بدر ہونا پڑا۔ راستے میں اُن کے قتل و غارت گری کے واقعات نے ان کو تتر بتر کر کے رکھ دیا۔ کوئی تین سو کے قریب قزاق چینی ترکستان کے راستے پہلے لداخ اور پھر سرینگر میں داخل ہو گئے۔ سرینگر میں آنے والے اِن قزاقوں کے جو اہم لیڈر تھے ان میں محمد امین بوگرہ سابقہ ڈپٹی گورنر سکیانگ، مولوی قاسم وایملا، سیکریٹری چینی ترکستان نیشنلز، خواجہ منوّر علی برگیڈیر، حاجی عیسیٰ یوسف آفندی اور علی بیگ شامل تھے۔ یہ سبھی رہنما بڑے امیر تھے اور اپنے ساتھ سنٹرل ایشیا سے کافی دولت اور جائداد بھی لائے تھے۔ ان امراء کو راج باغ اور گگری بل میں بسایا گیا۔ باقی لوگوں کو سرائے صفا کدل میں جگہ دی گئی۔

بیرون ممالک کی کئی ایجنسیوں کی طرف سے چینا بنک نیویارک سے ان کے نام امدادی رقومات آنے سے یہاں کے مقامی لیڈروں کی رال ٹپکنے لگی اور اُنھوں نے قزاق لیڈروں کے ساتھ رابطہ بڑھا کر اس امدادی رقم کو احراری، احمدی، مسلم لیگی اور کانگریسی امداد سمجھ کر اس کا بھی مالِ غنیمت کی نظروں سے دیکھنا شروع کیا۔

بین الاقوامی امدادی رقومات کی وجہ سے قزاقوں کی یہ سرائے سیاسی سرگرمیوں کی آماجگاہ بن گئی۔ ان قزاقوں کے لئے امدادی رقومات آنے کے ساتھ ساتھ امریکہ، برطانیہ اور دوسرے ممالک کی کئی برگزیدہ ہستیاں یہاں آگئیں اور اُن کے سامنے قزاقوں کی نمائش کرائی گئی۔ مغربی ممالک سے آنے والی ان ہستیوں سے شیخ عبداللہ وزیر اعظم کشمیر کی ملاقات کرائی گئی۔

شیخ عبداللہ سے ان ہستیوں کے ملنے ملانے کا کام مس ایڈینا بیلی، فونیٹسن اور مس سٹاور ایڈر انجام دیتی تھیں۔ ان خواتین کے شیخ صاحب کے ساتھ گہرے تعلقات تھے۔

شیخ صاحب کے ساتھ انہی تعلقات کی بناء پر ۱۹۵۳ء کی شورش میں مس ایڈینا بیلی کو ملک بدر کیا گیا۔

ان خواتین کے علاوہ شیخ عبداللہ کے ساتھ مغربی ممالک سے آنے والے خاص خاص اشخاص کو ملانے کا کام ڈاکٹر فل ایڈمنڈز کے سپرد تھا۔ جو بظاہر سی۔ ایم۔ ایس

[illegible] اسکول کے پرنسپل تھے لیکن بہ باطن وہ یہاں پاکستانی لابی کے ایک اہم رُکن تھے۔ وہ سرینگر میں قیام کے دوران نہ صرف طلباء بلکہ دیگر استادوں اور جان پہچان کے لوگوں کو پاکستان کی حمایت کے لئے تیار کرتے تھے۔

اُنھوں نے ۱۴ اگست کو پاکستان کے وجود میں آنے کے موقعہ پر یہاں پاکستانی جھنڈا لہرایا تھا۔ شیخ صاحب نے وزارت عظمیٰ کا عہدہ سنبھال کر اس وقت فل ایڈمنڈز سے ناراضگی ظاہر کی تھی۔ جب وہ انھیں وزارت سنبھالنے پر مبارک باد دینے آئے تھے۔ شیخ صاحب سے انھوں نے پاکستانی جھنڈا لہرانے پر ناراض ہونے کی وجہ پوچھی۔ تو شیخ صاحب نے جواب دیا:

"اس ریاست میں پاکستانی جھنڈا لہرانے سے پاکستان نہیں بن سکتا۔ اگر یہاں کوئی جھنڈا لہرایا جائے گا تو وہ اس ملک کا اپنا جھنڈا ہو گا۔"

یہی بات جب شیخ عبداللہ نے ملٹن کلارک کے پاس دہرائی تو اس طرح اُنھوں نے خود مختار کشمیر کا واضح تصور پیش کیا۔

قزاقوں کی امداد کے سلسلے میں جب ملٹن کلارک دوبارہ یہاں آئے تو قزاقوں کے لیڈروں نے ان سے ملاقات کے دوران شکایت کی کہ باہر سے آنے والی ہماری امدادی رقومات کو مقامی لیڈر اور نیشنل کانفرنس کے کرتا دھرتا ہڑپ کر رہے ہیں۔ چنانچہ ایک میٹنگ کے دوران محمد امین بوگرہ، حاجی عیسیٰ یوسف، مولوی قاسم اور علی بیگ کی شیخ صاحب اور کیشپ بندھو کے ساتھ تو تو میں میں بھی ہو گئی۔ بجائے اس کے کہ ان کی شکایات کا معقول جواب دے کر اُنھیں مطمئن کیا جاتا۔ اُلٹا ان پر الزام لگایا گیا کہ وہ بیرون ممالک خاص طور پر جنیوا میں شائع ہونے والے اخبار "ترکستان" میں سویت روس اور چین کے خلاف مضامین لکھکر ہمیں بھی اس میں ملوث کر رہے ہیں۔

شیخ صاحب نے حاجی عیسیٰ یوسف سے مخاطب ہو کر کہدیا۔ اگر آپ کو اس قسم کے مضامین لکھنے ہیں تو اس کے لئے آپ کو کشمیر چھوڑنا پڑے گا۔

حاجی یوسف نے ترکی بہ ترکی جواب دیتے ہوئے کہا۔

"آپ بے شک کمیونسٹ نظریات کی حمایت کریں لیکن مغربی ممالک سے ہمارے نام جو امدادی رقومات آتی ہیں وہ نیشنل کانفرنس کے ہتھے چڑھ جاتی ہے۔

اگر میڈل ایسٹ انسٹی ٹیوٹ آف دی یونائیٹڈ اسٹیٹس ہماری مدد نہ کرتے تو ہماری حالت یہاں بہت خراب ہوگئی ہوتی۔

ملٹن کلارک نے مداخلت کرتے ہوئے شیخ صاحب سے پوچھا۔

"ڈاکٹر فل ایڈمنڈز کا بھی کہنا ہے ان کے مشن کے لئے جو ہر ماہ پانچ ہزار کی گرانٹ باہر سے آتی ہے۔ وہ "خود مختار کشمیر" کے لئے نیشنل کانفرنس لیجاتی ہے۔ کچھ بھی ہو ہمیں اس کا زیادہ افسوس نہیں کیونکہ ہمارے مشن کا کام چلتا ہے۔ لیکن ان ریفیوجیوں کے ساتھ ایسا نہیں ہونا چاہئے۔"

ملٹن کلارک نے دونوں طرف کے لیڈروں میں بیچ بچاؤ کیا اور قزاق لیڈروں کے ساتھ مقامی لیڈروں کی صلح کرانے کے لئے ان سبھوں کے لئے شام کی دعوت کا ہوٹل نیڈوز میں کیا۔

دعوت کے دوران "خود مختار کشمیر" پر نہ صرف کھل کر بات چیت ہوئی بلکہ اس خواب کو تعبیر میں بدلنے کے لئے ایک خفیہ سمجھوتہ بھی ہوا اور اس کے لئے قزاق لیڈروں نے اپنا بھرپور تعاون دینے کی پیش کش کی، اس ملک کا نام "آزاد جمہوریہ حکومت کشمیر" دیا گیا۔ خود مختار کشمیر پر کام کرنے کے سلسلے میں امریکہ کی ڈیموکریٹک پارٹی کا لیڈر ایڈلائی اسٹیونس یہاں آیا اور انھوں نے ملٹن کلارک اور ڈاکٹر فل ایڈمنڈز کے ہمراہ شیخ عبداللہ سے کئی ملاقاتیں کیں۔

مغربی ممالک کے سرکردہ اراکین کے ساتھ قزاق لیڈروں نے شیخ عبداللہ کے "خود مختار کشمیر" کے ساتھ کام کیا تو شیخ صاحب نے واضح کر دیا کہ میرے ملک کو ہندوستان اور پاکستان دونوں کے ساتھ تعلقات ہوں نیز اسے بین الاقوامی گارنٹی اور معاشی امداد امریکہ دے اور جس کی ضامن برطانیہ کی دولت مشترکہ بھی ہو۔

شیخ صاحب سے ایڈلائی اسٹیونسن سے اس کی یقین دہانی کرائی گئی تو ان کی جانب سے امریکہ کی طرف رجوع ہونے لگا اور مجلس اقوام متحدہ میں امریکی مداخلت کا راستہ ہموار کیا گیا (امریکی صدر نے وزیر اعظم برطانیہ کو مسئلہ کشمیر میں اپنا ہمنوا بنا لیا) پہلے پہل اس مسئلے کے بارے میں بہت ہوشیاری سے کام لیا گیا تاکہ مرکزی سرکار اصلی حقائق سے بے خبر رہے لیکن شیخ صاحب کی طرف سے اس سلسلے میں جنیوا میں پرنس اکرم کے

نام خط کی تفصیلات مرکزی سرکار کو معلوم ہوگئی۔

اسی دوران شیخ عبداللہ نے برطانوں اخبار کے نمائندوں وارڈ پرائس اور مائیکل ڈیوڈسن کو ایک بیان بغرض اشاعت دے دیا۔ اس بیان میں شیخ صاحب نے آزادی اور خود مختاری کے بارے میں اپنا واضح نظریہ پیش کیا:

"کشمیر کے لئے جس کی اقتصادی حالت سارے برصغیر کے سیاحوں کی آمد و رفت اور کشمیر میں بنی ہوئی عیاشی کی چیزوں کے لئے دنیا بھر کی دولت مند منڈیوں میں کھپت پر منحصر ہے۔ واحد حل یہ ہے کہ دونوں مملکتیں غیر جانبداری برتیں، اس میں کوئی شک نہیں کہ کشمیر کئی ملکوں کے گھیرے میں ہے۔ اور ہمارے آزاد و خود مختار رہنے سے پڑوسی ملکوں کے ساتھ ہماری دوستی فائدہ مند ثابت ہوگی۔ کسی ایک ملک کے ساتھ الحاق کرنے سے یہ خطہ باعث نزاع بنے گا۔ جبکہ ہم امن کے ساتھ رہنے کے خواہشمند ہیں اور اس کے لئے امریکہ اور برطانیہ سے گارنٹی مانگ رہے ہیں۔"

اصل میں یہ مہاراجہ ہری سنگھ اور رام چند کاک کا نظریہ تھا۔ جس کا شیخ صاحب نے اعادہ کیا۔

مسٹر ڈیوڈسن کی شیخ صاحب سے ملاقات کے بعد اس قسم کے بیان نے منظر عام پر آتے ہی مرکزی سرکار کے ہوم ڈیپارٹمنٹ کی طرف سے وزیر اعظم شیخ محمد عبداللہ کے نام ایک خط موصول ہوا جس میں ان سے اخباری بیان کی وضاحت طلب کی گئی۔

وہ ابھی جواب کی تیاری کر رہے تھے کہ انھیں دہلی سے بلاوا آگیا۔

شیخ محمد عبداللہ کے اخباری بیان سے جہاں مرکزی سرکار کے ہاتھ اُن کی طرف بڑھنے لگے وہاں مغربی ممالک سے جو گارنٹی مانگی گئی اس کے بارے میں انھیں سوچنے اور غور کرنے کا موقع مل گیا۔ شیخ صاحب خود موزوں وقت کا انتظار کر رہا تھا اور امریکہ خود مختاری کی گارنٹی کے مختلف پہلوؤں پر غور لایا۔ انھوں نے بھارت میں مقیم اپنے سفارتی نمائندے لائے اینڈسن کے ساتھ رابطہ قائم کر کے انھیں بات چیت کے لئے سرینگر روانہ کیا، لائے اینڈسن اپنی مسز کے ہمراہ یہاں آگئے